اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۵ | شعبان/رمضان ۱۴۴۵ھ | مارچ ۲۰۲۴ء | شمارہ ۳

الظاہر

اصلاح ظاہر کی افادیت واہمیت (قسط اول)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۵۰ روپے زر سالانہ =/ ۶۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

وعظ

الظاہر

(اصلاح ظاہر کی افادیت واہمیت) قسط اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ الظاہر ۱۵۔ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ کو چک دائرہ شاہ عبدالجلیل صاحب الہ آباد میں ۳ گھنٹے ۱۰ منٹ تک کھڑے ہوکر ارشادفرمایا۔ بیان کے لیے جس آیت کا انتخاب فرمایا وہ وہی آیت ہے جس پر دوروز قبل بیان فرمایا تھا آیت کے دو مدلول تھے ایک سے اصلاح باطن کو ذکر کیا تھا دوسرے سے اصلاح ظاہر کو ذکرفرمارہے ہیں گذشتہ وعظ میں اصلاح باطن کواسی آیت سے ثابت کیا تھا اورآج اسی آیت سے ضرورت اصلاح ظاہر پر زور دیا گیا ہے۔ سامعین کی تعداد ۲۵۰۰ تھی، وعظ حکیم محمد مصطفیٰ بجنوریؒ مقیم میرٹھ محلّہ کرم علی نے قلمبند کیا۔ وعظ کے مضامین انتہائی مفید ہیں اللہ تعالیٰ تمام قارئین کومستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ: وعظ کی طوالت کے پیش نظر دوقسطوں میں طبع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

4/12/23

فہرست

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
ظاہر کی ضرورت..........	۷	امراء بھی با اثر ہیں..............	۲۱
حضرت تھانویؒ کی انتخاب تعبیر میں احتیاط..	۸	امارت اور حکومت کو بڑا دخل ہے......	۲۳
لوگوں کی تین قسمیں..........	۸	اہل سنان کا اثر..............	۲۳
طریقہ ملامتیہ..........	۹	خالی کی دو قسمیں..............	۲۵
نماز کسی مقام پر معاف نہیں ہوتی......	۱۰	ایک کھاؤ پیر کا قصہ..............	۲۵
عارفوں کی بصیرت..........	۱۱	خوف مضرت..............	۲۶
تصرفات علامت کمال کی نہیں..........	۱۲	با اثر جماعتیں..............	۲۷
ضرورت باطن..........	۱۳	جماعت محققین..............	۲۷
اصلاحی ظاہر کی ضرورت..........	۱۴	علماء درویشوں کی طرف رجوع سے عار رکھتے ہیں..............	۲۸
مسلمانوں کی چار جماعتیں..........	۱۴	حکایت حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ..............	۲۹
فقراء کا حال..........	۱۵	بزرگوں کو رنج دینا نہ چاہئے......	۲۹
لفظ طول عمرہ کی تحقیق..........	۱۶	عار نے کفار کو علوم وحی سے روکا......	۳۰
دور حاضر کے فقراء کا حال..........	۱۶	شیخ کا ایک ادب..............	۳۲
داماد کا اسلام تو دیکھ لینا چاہئے..........	۱۷	شیخ محقق کی شان..............	۳۳
نکاح سے متعلق ایک غلو..........	۱۸	اصلاح باطن کے لیے اہل علم کی توجہ کی ضرورت..............	۳۴
رضاعی بہن سے نکاح..........	۱۸	نماز سے لوگوں کی وحشت کا حال......	۳۴
لوہے کے نکاح..........	۱۹	خلقی موٹا پا مذموم نہیں..............	۳۵
ہر جگہ تاویل کرنے کی خرابی..........	۱۹	غرباء میں بھی مرض حب جاہ ہوتا ہے..	۳۶
اچھے اور بُرے کا معیار..........	۲۰	حظ اور کیفیت مطلوب نہیں......	۳۷
ایک زانی پیر کا قصہ..........	۲۱	اعمال ظاہرہ میں مشقت ہے.....	۳۷

نفس پرستی اور شہوت پرستی............	۳۹	حکایت نیبو نچوڑ............	۴۸
حج نہ کرنے کے حیلے................	۳۹	دور حاضر کے اہل وجد..........	۴۹
مشقت سے بچنے کے بہانے........	۴۱	اہل تنعم......................	۵۰
مصیبت کی حقیقت................	۴۲	درستی باطن کا خلاصہ............	۵۰
عاصی اور مطیع میں فرق............	۴۲	کشتہ کی اصلیت................	۵۱
تعلق مع اللہ کی برکت.............	۴۳	ہر قوم کی اصطلاح..............	۵۲
اہل اللہ کا کامل توکل..............	۴۴	قلب کو مشغول بحق رکھنے کی ضرورت..........................	۵۲
اہل طاعت اور اہل معصیت کی مصیبت میں فرق..............	۴۵	ترک ظاہر کا منشاء..............	۵۳
اعمال ظاہرہ میں کچھ مشقت ضرور ہے..	۴۶	نماز کی خاصیت..............	۵۵
اہل بطن..........................	۴۶	آزادی کے نتائج..............	۵۶
حضرات انبیاء علیہم السلام کا مجاہدہ....	۴۷	اخبار الجامعہ..................	۵۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ و نشھد انّ سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارك و سلم **امابعد!**

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَال علیہ السّلام (۱) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَجِیۡبُ الدُّعَآءَ عَنۡ قَلۡبٍ لَاہٍ (۲)

ظاہر کی ضرورت

صاحبو! یہ وہی حدیث ہے جس کے متعلق میں پرسوں نماز جمعہ کے بعد بیان کرچکا ہوں چونکہ اس کے دو مدلول ہیں اور اس روز ایک کا بیان ہوا ہے اس واسطے ضرورت ہوئی کہ اسی کا بیان آج پھر ہو اور دوسرا مدلول جورہ گیا ہے (۳) اس کو بیان کیا جاوے کیونکہ وہ بھی ضروری ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے یہ زیادہ جورہ گیا ہے اس کو بیان کیا جاوے کیونکہ وہ بھی ضرورت ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے یہ زیادہ ضروری ہے، البتہ دونوں مضمونوں کی مدلولیت میں تفاوت (۴) ہے، وہ یہ کہ وہ مدلول مطابقی (۵) تھا، اور آج کا مضمون مدلول التزامی (۶) ہے، وجود دلالت میں دونوں یکساں اور مؤثر

(۱) المعجم الکبری للطبرانی ۲ / ۲۴۲ ۳، اِتحاف السادۃ المتقین ۶ / ۶۱ ۳، المغنی عن حمل الاسفار: ۲ / ۵ ۲۳ (۲) ’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ قلب غافل سے دعاء قبول نہیں فرماتے‘‘ (۱) ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ کو بیان کیا تھا جامعہ دارالعلوم سے یہ وعظ جولائی ۲۰۲۳ء میں طبع ہوچکا ہے (۲) یہ حدیث دو باتوں پر دلالت کرتی ہے (۳) دوسری بات جورہ گئی تھی اس کا بیان ہوجائے (۴) دونوں پر دلالت میں فرق ہے (۵) جب ایک لفظ بولیں اور مخاطب اس کے پورے معنی جس کے واسطے وہ لفظ بنا ہے سمجھ لے تو اس دلالت کو دلالت مطابقی کہتے ہیں (۶) دلالت کے واسطے معنی موضوع لہ اور معنی مدلول میں ایسا قوی التزام کہ لفظ سننے کے ساتھ سامع کا ذہن فوراً معنی لازم کی طرف منتقل ہوجائے مثلاً لفظ رستم کی دلالت پہلوان پر اور حاتم کی سخی پر اور گدھے اور الو کی احمق اور بے عقلی پر دلالت التزامی کہلاتی ہے۔

ہیں، لہٰذا یہ خیال نہ کیا جاوے کہ اس کی وقعت اور ضرورت میں کچھ کمی ہے، البتہ ان دلالتوں میں فرق اس وقت کیا جاسکتا ہے جب کہ دونوں میں تعارض ہو، غرض ان دونوں مضمونوں میں باعتبار مدلولیت کے تفاوت معتد بہ[۱] نہیں، اور ضرورت اور نوعیت کے لحاظ سے آج کا مضمون پرسوں کے مضمون سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔

پرسوں کے مضمون کا خلاصہ شکایت تھی اس بات کی کہ اصلاح باطن کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے اور اس کا خیال نہیں ہے کہ عبادت میں روح بھی ہونا چاہئے یعنی ظاہر اور صورت کے ساتھ باطن اور روح کا ہونا بھی ضروری ہے، اول تو اعمال کی طرف توجہ نہیں اور کسی کو ہے بھی تو صرف ظاہر پر اکتفا[۲] ہے۔

آج دوسرے پہلو پر گفتگو ہے وہ اس کا عکس ہے، وہ تو غلطی تھی ہی کہ ظاہر پر اکتفاء کیا اور باطن کی ضرورت نہ سمجھی اس سے بڑھ کر یہ غلطی ہے کہ بعض لوگ محض باطن کو مہتم بالشان[۳] سمجھتے ہیں اور ظاہر کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

حضرت تھانویؒ کی انتخاب تعبیر میں احتیاط

اور میں نے جو دونوں غلطیوں کے بیان میں عنوان میں فرق کیا ہے، یعنی یہاں یوں نہیں کہا کہ باطن پر اکتفا کرتے ہیں جیسا ظاہر کے بیان میں کہا تھا کہ صرف ظاہر پر اکتفاء ہے سو اس عنوان بدلنے کی وجہ یہ ہے کہ گو ان کا خیال ہے کہ باطن پر بھی بلا ظاہر کے عمل ہوسکتا ہے لیکن واقع میں یوں ہے اور اپنے محل میں ثابت بھی ہو چکا ہے چنانچہ وعظ روح الارواح میں ہے کہ یہ شق ثانی یعنی باطن پر اکتفاء بدوں ظاہر[۴] کے ممکن ہی نہیں اور وہ شق ممکن تھی کہ ظاہر پر اکتفاء بدوں باطن کے ہو پس چونکہ باطن پر اکتفا بدوں ظاہر کے ممکن ہی نہ تھا اس واسطے میں نے بجائے اکتفاء کے یہ لفظ اختیار کیا کہ محض باطن کو مہتم بالشان سمجھتے ہیں۔

لوگوں کی تین قسمیں

غرض بہت لوگ اس خیال کے ہیں کہ باطن کا اہتمام کرتے ہیں اور کہتے ہیں

---

(۱) دونوں مضامین میں مدلول کے اعتبار سے زیادہ فرق نہیں ہے (۲) ظاہر کا خیال ہے باطن کی فکر ہی نہیں (۳) قابل اہتمام (۴) بغیر ظاہر کی درستی کے۔

کہ اصلی چیز تو وہی ہے اور وہی روح ہے عمل کی اور جسد کی ضرورت نہیں سمجھتے اور مثال دیتے ہیں کہ ظاہر اور باطن میں نسبت مغز بادام اور قشر بادام (۱) کی سی ہے، کہ مقصود اور کارآمد چیز صرف مغز ہے (۲)، نہ کہ چھلکا، یہ سمجھا ہے ان لوگوں نے چنانچہ اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں کہ باطن کو کافی سمجھتے ہیں اور ظاہر کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اس حالت کو بدرجہا اکمل سمجھتے ہیں، ہاں ساتھ ہی اس کے جو جامع ہے ظاہر اور باطن دونوں کا اس کو یہ لوگ بھی افضل سمجھتے ہیں مگر نرے اہل ظاہر کو نرے اہل باطن سے گھٹا ہوا سمجھتے ہیں وہ بھی اور ان کے معتقدین بھی پس یہ کل تین شقیں ہوئیں، نرے اہل ظاہر اور نرے اہل باطن اور جامع باطن و ظاہر انہوں نے دوسری شق کو اختیار کرلیا۔

طریقہ ملامتیہ

حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے (جیسا کہ آگے ثابت بھی کردیا جاوے گا) کہ ظاہر باطن سے زیادہ مقصود ہے اور یہ کہ نرے اہل ظاہر نرے اہل باطن سے اچھے ہیں (۳) اور ان لوگوں سے اکثر حالات میں ایک خاص غلطی ہوئی ہے وہ یہ کہ ایک مقدمہ ان کے ذہن میں آگیا ہے وہ یہ ہے کہ اصلاح ظاہر سے عجب (۴) پیدا ہوتا ہے، کیونکہ تورع اور اتقاء ایک (۵) ظاہر چیز ہے اور عجب نہایت مذموم (۶) چیز ہے اس واسطے ظاہر کا موافق شرع بنانا اچھا نہیں سمجھا اور یہ اطمینان ہے کہ واقع میں متقی ہیں کیونکہ معاملہ مع اللہ ہے سو نیت ہماری صحیح ہے اور اللہ میاں دل کو دیکھتے ہیں اور اس کا نام طریقہ ملامتیہ (۷) رکھا ہے، اور خیال ہے کہ جتنی ملامت زیادہ ہوگی درجات بڑھیں گے۔ یہ سمجھ کر ظاہر کو چھوڑ دیا کہ اس کی اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ یہ لوگ بعض اوقات ان اعمال کے جو کہ اصلاح ظاہر کے متضاد (۸) ہیں یعنی معاصی (۹) ان کے بھی مرتکب ہو جاتے ہیں شراب پیتے ہیں عورتوں سے خلا ملا رکھتے ہیں اجنبیات کے ساتھ خلوت کرتے ہیں قلندر بنتے ہیں چہار ابرو کا صفایا رکھتے ہیں داڑھی کٹاتے یا

(۱) بادام کے چھلکے اور گری کی سی نسبت ہے (۲) صرف گری ہے (۳) صرف ظاہر کی درستی کا اہتمام کرنے والے صرف باطنی کی دوستی کا اہتمام کرنے والوں سے بہتر ہیں (۴) خود پسندی (۵) ورع اور تقویٰ ظاہری چیز ہے (۶) بہت بری چیز ہے (۷) ایسے لوگوں کا طریقہ جن کے ظاہر کو دیکھ کر لوگ ان پر ملامت کریں (۸) ظاہری اصلاح کی ضد میں (۹) گناہ۔

منڈاتے ہیں اور دل کو سمجھا لیا ہے کہ ملامتی ہیں باطن کی اصلاح کی ضرورت تھی وہ کر ہی لی ہے اور ظاہر کی اصلاح کی ضرورت نہیں بلکہ وہ مخل فی اصلاح الباطن (باطن کی درستی میں خلل انداز) ہے کیونکہ اس سے عجب(۱) جیسا ذمیمہ باطنی پیدا ہوتا ہے اور گو اس طریقہ کے مباشرین(۲) کم سہی مگر ان کے معتقدین بہت ہیں جو اس طریقہ کو نہایت استحسان(۳) کی نظر سے دیکھتے ہیں اس واسطے اس کے بیان کی ضرورت ہوئی یہ بھی آج کل ایک مذاق ہے کہ بعض لوگ ایک معصیت کے مرتکب خود نہیں ہیں مگر اس کو کچھ برا نہیں سمجھتے بلکہ اس کو اچھی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے ایک شخص نے جن کے خود داڑھی موجود تھی مجھ سے گفتگو میں کہا داڑھی ایک زائد چیز ہے میں نے کہا اگر تمہاری داڑھی نہ ہوتی تو اس گفتگو کا تعجب نہ تھا اس کا جواب بھی دیا جاتا اب سخت تعجب ہے اور اب کیا جواب دوں۔

نماز کسی مقام پر معاف نہیں ہوتی

یا جیسے بہت سے لوگ متقی ہیں نمازی ہیں مگر اعتقاد یہ رکھتے ہیں کہ ایک مقام پر پہنچ کر نماز فرض نہیں رہتی اسی خیال کے ایک شخص مجھ سے ملے میں نے کہا یہ ایک دعویٰ ہے اور ہر دعویٰ کے لیے دلیل چاہئے اس کی دلیل کیا ہے کہا شیخ عبدالقدوسؒ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے میں نے کہا دکھایئے کہاں لکھا ہے ہر چند تلاش کیا مگر نہیں ملا میں نے کہا دس برس کی مہلت ہے شیخ عبدالقدوسؒ کے کلام میں تو کیا کسی شیخ کے کلام میں بھی نہیں مل سکتا اور شیخ کے مکتوبات میں تو ہر ایک مکتوب میں سخت تاکید ہے اتباع شریعت کی اور سب کے کلام میں یہی ملے گا سعدیؒ اتنے پرانے ہیں ان کے کلام میں ہے۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید(۴)

وہ شخص اس وقت چپ رہے میں سمجھا شاید پھر جواب دیں گے اور کسی شیخ کے کلام سے ثبوت نکالیں گے اپنے دعویٰ کا مگر وہ پھر ملے ہی نہیں۔ غرض ایسے معتقدین

(۱) خود پسندی جیسی برائی (۲) اس طریقہ پر عمل پیرا لوگ کم سہی (۳) اچھا سمجھتے ہیں (۴) ''سعدی یہ مت خیال کر کہ سیدھا راستہ بغیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طے ہوسکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کرنے والا کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا''۔

کثرت سے ہیں کہ خودتو نماز روزہ کے پابند ہیں مگر پھر بھی ایسوں کے معتقد ہیں جو نہ نماز کے ہیں نہ روزہ کے یہ عجیب بات ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اجتماع ضدین (۱) کیسا اگر نماز روزہ ضروری چیز ہے تب تو ایسوں کا معتقد نہ ہونا چاہئے جن میں اس کی کمی ہے، اور اگر ان میں اس کے نہ ہونے سے کچھ کمی نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ یہ فعل عبث (۲) ہیں پھر خودبھی کیوں ان کا اہتمام کرتے ہیں، بس ایک جہالت ہے کہ اس نے عقل کو خراب کر رکھا ہے خود متقی اور پرہیزگار مگر غیر متقی، اور غیر پرہیزگاروں کے معتقد اور انکو اولیاء اللہ سمجھتے ہیں۔ قرآن شریف میں تو اولیاء اللہ متقین کو فرمایا گیا ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (۳) اور یہاں یہ حالت ہے کہ تقوے کی قید تو اڑائی ہی تھی ایمان کی قید بھی اڑا دی، بہت سے مسلمان ہندو جوگیوں کے معتقد ہیں اور ان کو کامل سمجھتے ہیں ایک بابو ہندو ایک مقام میں تھے ان سے مسلمان مرید ہوتے تھے اور ان کو ولی اللہ کہتے تھے معلوم نہیں کیا حقائق بدل گئے ولایت کی حقیقت عداوت ہوگئی ہے تعجب ہے کہ مسلمان ہندو کو اس لیے مرید نہیں کیا کرتے تھے کہ مرید ہونے کے لیے اسلام شرط ہے چہ جائیکہ پیر ہونے کے لیے بھی اسلام شرط نہیں رہا۔ ایسے لوگوں کو کوئی کہتا ہے مجذوب ہیں بعضے کہتے ہیں کہ مکہ میں جا کر نماز پڑھتے ہیں اس کے جواب میں کسی نے خوب کہا ہے کہ پیخانہ کے لیے تو ہندوستان اور نماز کے لیے مکہ بھلے مانس اس کی جگہ اگر یوں ہی کہہ دیتا کہ جہاں پیخانہ پھرتے ہیں وہیں نماز بھی پڑھ آتے ہیں تو کچھ لگتی ہوئی بات ہوجاتی۔

عارفوں کی بصیرت

بعضے کہتے ہیں کہ حضرت ہم کو نماز پڑھتے نظر نہیں آتے کیونکہ دوسرے جسد سے پڑھتے ہیں یہ جسم یہیں لوگوں کے سامنے رہتا ہے اور شاہ صاحب نماز دوسرے جسم سے پڑھ لیتے ہیں سو گو یہ امر ممکن ہے کہ ایک شخص دو جسم سے متجسد (۴) ہوجاوے مگر یہ کرامت ہوگی اور کرامت اختیار سے نہیں ہوتی بلا اختیار ایک کام خرق عادت حق تعالیٰ کی طرف سے ہوجاتا ہے سو اسی طرح تعدد جسد بزرگوں کے واسطے بطور کرامت ہوا بھی

(۱) دو متضاد باتوں کا جمع کرنا کیسا (۲) بیکار (۳) ’’اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے‘‘ یونس: ۶۳ (۴) دو مختلف جگہ اس کے جسم ظاہر ہوں۔

ہے چنانچہ ایک بزرگ ہیں قضیب البان، ان پر کوئی الزام لگا کر لوگوں نے قاضی کے یہاں چغلی پہنچادی قاضی ان کو گرفتار کرنے چلے سامنے سے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ستر قالب [1] سے چلے آرہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں سے اپنے مجرم کو پکڑلو قاضی حیران رہ گیا۔

سو ایسے خوارق [2] اکثر تو بلا اختیار ہوتے ہیں، اگر یہ ہے تو یہ توجیہ بالکل لغو ٹھہری اور کبھی ایسا تصرف بالاختیار بھی ہوا ہے مگر اس میں یہ ہے کہ جس دوسرے جسد سے نماز پڑھنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ جسم مثالی ہے اور نماز فرض ہے اس جسم عنصری پر۔ چنانچہ ایک بزرگ تھے کہ مسجد میں جماعت ہونے لگی تو یہ نہ شریک ہوئے جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھے رہے، ایک عالم نے اعتراض کیا کہ آپ نماز نہیں پڑھتے؟ انہوں نے صف کی طرف اشارہ کیا تو دیکھا وہ موجود ہیں اور جماعت میں شریک ہیں ان عالم صاحب نے فرمایا کہ جو جسد نماز میں شریک ہے وہ مثالی ہے اس پر نماز فرض نہیں وہ نفل پڑھ رہا ہے اس سے تمہارے ذمہ سے فرض ساقط نہ ہوگا۔

عارفوں کی بصیرت دیکھئے کہ پہچان لیا کہ جماعت میں جو شریک ہے وہ جسد عنصری نہیں ہے جسد عنصری [3] وہ ہے جو بیٹھا ہے اور وہ جسد مثالی ہے ورنہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ جو جسم نماز میں شریک ہے وہ عنصری ہو اور جو بیٹھا ہے وہ مثالی ہو اور اس صورت میں فرض ادا ہو جاوے گا مگر انہوں نے پہچان لیا اور ان کا کہنا سچ نکلا ان بزرگ نے توبہ کی کہ ہاں بڑی غلطی ہے نماز اس طرح ادا نہیں ہوتی۔

تصرفات علامت کمال کی نہیں

ناحق ایسی حکایتیں بزرگوں سے منقول ہیں اور ایسا ممکن ہے مگر ہر شخص نہ ایسا تصرف کرسکتا ہے اور نہ یہ تصرفات ہر وقت اولیاء کے اختیار میں ہیں اور جو تصرف اختیاری بھی ہو وہ عارف ہونے کی وجہ سے ایسے تصرف نہیں کرتے کیونکہ ان کو شعبدے دکھلانا نہیں غرض یہ تصرفات ان کے نزدیک کچھ کمال نہیں کمال تو اور ہی چیز ہے۔

ان تصرفات کی نسبت خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں برآب روی خسے باشی،

(۱) ان کی طرح کے ستر جسم ظاہر ہوئے (۲) خلاف عادت کام (۳) جسم خاکی وہ ہے جو بیٹھا ہے اور نماز میں شریک جسم اس کی مثالی ہے جیسے آئینہ میں اپنا عکس نظر آتا ہے جو اصل نہیں ہوتا۔

بر ہوا پری مگسے باشی، دل بدست آر کہ کسے باشی(۱)، دل سے مراد اپنا دل ہے یعنی اصلاح قلب کرو کہ آدمی بن جاؤ پانی پر چلنا اور ہوا پر اڑنا تو جمادات اور حیوانات کا کام ہے پس جو ان تصرفات کو پسند کرتا ہے وہ بزرگ نہیں اور جو بزرگ ہے وہ پسند نہ کرے گا۔ سب سے بڑے اور بزرگ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ گھر میں بیٹھے رہے ہوں اور دوسرے جسم سے جماعت میں شرکت کی ہو۔

غرض چونکہ ان شعبدہ بازوں کے معتقدین بہت ہیں اگرچہ خود یہ شعبدہ باز بہت نہیں ہیں اس واسطے اس مضمون کے بیان کی ضرورت ہے اور گو اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ توجہ قلب کی بھی ضرورت ہے نرا عمل کافی نہیں۔

ضرورت باطن

چنانچہ فرماتے ہیں ان اللّٰہ لا یستجیب الدعاء عن قلب لاہ (۲) دعاء سے مراد خواہ مطلق عبادت ہو خواہ معنی متعارف جو عبادت کا ایک فرد اکمل ہے اور اس لیے خاص دعاء کا لفظ یہاں آیا ہو اور مراد مطلق عبادت کا حکم بیان کرنا ہو تو معنی یہ ہوئے کہ عبادت کے واسطے توجہ قلب کی ضرورت ہے یعنی ظاہر کے لیے باطن کی بھی ضرورت ہے اور اسی واسطے میں نے اس وعظ کا نام جو اس کے متعلق پرسوں ہو چکا الباطن رکھا تھا کیونکہ اس میں اس حدیث سے ثبوت دیا گیا تھا اس بات کا کہ نرا ظاہر کافی نہیں باطن کی بھی ضرورت ہے اور گو اس حدیث میں ظاہراً قلب لاہٍ یعنی غافل کی مذمت (۳) ہے ضرورت باطن ظاہراً مذکور نہیں مگر اس مذمت ہی سے یہ بات بھی نکل آئی کہ جب یہ فعل بُرا ہے تو اس کا خلاف اختیار کرنا چاہئے یعنی قلب کو غفلت سے بچانا چاہئے یعنی اگر دعا کی جائے تو اس میں زبانی دعاء کے ساتھ حضور قلب بھی ہونا چاہئے یا بہ لفظ دیگر یہ کہئے کہ عبادت میں ظاہر کے ساتھ باطن بھی ہونا چاہئے پس یہی حاصل ہے ضرورت باطن کا پس یہ مفہوم اس حدیث سے بہت ظاہر ہے غرض اس حدیث میں باطن کی ضرورت بھی مذکور ہے اور اسی کو تفصیل کے ساتھ گذشتہ وعظ میں بیان بھی کیا تھا مگر جس مضمون کو آج بیان کرنا ہے جو

(۱) اگر پانی پر چلنے لگے تو تنکے کی مانند ہوئے اگر ہوا میں اڑے تو مکھی کی مانند ہوئے اپنے آپ کو کسی بزرگ کے تابع کرو تو کسی قابل بنو گے (۲) ''اللہ تعالیٰ قلب غافل سے دعا قبول نہیں فرماتے'' (۳) غافل دل کی برائی۔

کہ اس کا عکس ہے یعنی یہ کہ نرا باطن کافی نہیں ظاہر کی بھی ضرورت ہے وہ بھی اسی حدیث کا مدلول ہے اور گو اس کے ظاہری مدلول سے ظاہر کی ضرورت سمجھنا دشوار ضرور ہے، مگر ان شاء اللہ تعالیٰ اسی سے یہ بھی ثابت ہوجائے گا۔

اصلاحِ ظاہر کی ضرورت

سو سنئے اتنا تو حدیث کا مدلول مطابقی (۱) ہی ہے کہ توجہ قلب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادت کے لیے شرط قبول ٹھہرایا ہے اب اس کے ساتھ ایک دوسرا مقدمہ ہم ملائیں گے جس سے یہ دوسرا مضمون بھی جو آج بیان کرنا ہے اسی میں التزاماً نکل آئے گا وہ مقدمہ یہ ہے کہ کسی کام کے لیے اس کی شرط کی ضرورت من حیث الشرط (۲) ہوتی ہے اور مقصود دوسری چیز یعنی یہی کام ہوتا ہے مثلاً نماز کے لیے شرط وضو ہے تو یہی کہا جائے گا کہ وضو کی ضرورت بحیثیت شرطیت (۳) کے ہے اور اصل مقصود نماز ہے اور معلوم ہے کہ شرط شے اصل شے (۴) سے خارج ہوا کرتی ہے پس جب حدیث سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ قلب غافل سے عبادت (۵) قبول نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ حضور قلب شرط ہے عبادت کے لیے اور شرط مقصود سے خارج ہوا کرتی ہے تو معلوم ہوا کہ اصلی مقصود عبادت ظاہری (۶) ہے اور اس کے لیے شرط ہے توجہ باطنی۔

دیکھئے اس مقدمہ کے ملانے سے یہ مضمون پیدا ہوگیا اسی کو میں نے مدلول التزامی کہا تھا تو وہ مدلول یہ ہوا کہ ظاہر مقصود ہے بلکہ زیادہ مقصود ہے اور باطن بھی بہت ضروری ہے لیکن ظاہر اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

مسلمانوں کی چار جماعتیں

خلاصہ یہ ہے کہ ایک کوتاہی محض اہل ظاہر میں ہے اور دوسری کوتاہی محض اہل باطن میں ہے بلکہ حالت یہ ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کے ہر طائفہ (۷) میں کچھ نہ کچھ

(۱) الفاظ حدیث اس پر دلالت کر رہے ہیں (۲) شرط ہونے کی حیثیت سے (۳) کہ نماز کے لیے وضوء شرط ہے وضوء نہیں ہوگا تو نماز نہیں ہوگی (۴) شرط اصل سے خارج ہوتی ہے جیسے وضوء نماز سے خارج ہے نماز کا حصہ نہیں (۵) غافل دل کی عبادت قبول نہیں ہوتی (۶) ظاہری صورت عبادت کا مقصود اصلی ہے دل سے متوجہ ہونا شرط قبول ہے (۷) ہر جماعت۔

کوتاہی ضرور ہی ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ مسلمانوں میں چار قسم کے لوگ ہیں اول تقسیم یہ ہے کہ ایک عوام ہیں اور ایک خواص پھر خواص میں تین جماعتیں ہیں اس طرح چار قسمیں ہوگئیں خواص کی تین جماعتیں یہ ہیں علماء اور فقراء یعنی مشائخ اور امراء ان میں سے دو جماعتیں مذہبی حیثیت سے خاص ہیں وہ علماء اور فقراء ہیں خاص کے معنی ہیں ممتاز یعنی باثر پھر ان میں سے فقراء زیادہ خاص ہیں کیونکہ لوگ فقراء کو خدا تعالیٰ کا سرشتہ دار (منشی) سمجھتے ہیں اور اتنا اعتقاد ہے ان کی طرف کہ فقراء کو وہ دعویٰ ہے اس وقت جو نصاریٰ کا دعویٰ تھا نَحْنُ أَبْنَٰٓؤُا۟ ٱللَّهِ وَأَحِبَّٰٓؤُهُۥ (۱) یعنی نصاریٰ کہتے تھے کہ ہم خدا تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔

فقراء کا حال

یہی حالت آج کل فقراء کی ہوگئی ہے کہ وہ اپنا خدا تعالیٰ سے ایسا ہی تعلق سمجھتے ہیں جیسے نصاریٰ سمجھتے تھے، جس کا ذکر اس آیت میں ہے یہاں کوئی یہ نہ کہے کہ آج کل فقراء اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہاں کہتے ہیں جیسے نصاریٰ کہتے تھے اس واسطے کہ ہم کہتے ہیں کہ نصاریٰ بھی اپنے آپ کو خدا کا بیٹا بایں معنی نہیں کہتے تھے کہ ان سے اور خدا سے بنوت اور ابوت (۳) کا تعلق ہے کہ یہ حقیقی بیٹے ہیں اور حق تعالیٰ حقیقی اور متعارف باپ ہے ایسا تو کون ہے کہ حق تعالیٰ سے سلسلہ نسب کا قائم کرے بلکہ اپنے آپ کو بیٹا اور دوست خدا کا صرف بایں معنی کہتے تھے کہ ہم کو خدا تعالیٰ سے ایسا گہرا اور ایسی خصوصیت کا تعلق ہے جیسے بیٹے کو باپ سے اور محبّ کو محبوب سے ہوتا ہے۔

اس پر شاید کوئی یوں کہے کہ اگر یہ معنی ان کے مراد تھے تو پھر اس پر حق تعالیٰ نے رد کیوں کیا، کوئی ایسا تعلق تو حق تعالیٰ کے ساتھ محال نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی مراد صرف قرب ومحبت ہی نہ تھی بلکہ مراد ایسا قرب خاص تھا کہ اگر ہم نافرمانی بھی کریں تب بھی یقیناً بلا سزا معاف کردیئے جاویں گے اور یہ علاقہ قطع نہیں ہوسکتا جیسے بیٹے اور محبوب کا جرم بدوں (۴) عامیانہ سزا کے معاف ہوجاتا ہے اور اس سے علاقہ قطع

(۲) سورۃ المائدہ: ۱۸ (۳) باپ بیٹا ہونے کا تعلق (۴) بغیر سزا دیئے بھی معاف ہوجاتا ہے۔

نہیں کیا جاتا اسی لیے ان پر رد کیا گیا ہے قُلۡ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُمۖ (۱) اور جو علاقہ محال نہیں اگر کسی کو وہ بھی ہو تب بھی لفظ ابناء (۲) بیہودہ ہے اور گستاخی ہے جیسے باپ کو لکھیں برخوردار نور چشم (۳) کہ یہ الفاظ ایک معنی کے باپ پر صادق آسکتے ہیں لیکن اس وجہ سے کہ ان کا غالب استعمال اولاد کے لیے ہے نہ کہ باپ کے لیے، باپ کے لیے بدتمیزی میں داخل ہیں۔

لفظ طول عمرہ کی تحقیق

یا اس سے زیادہ ایک ایسا لفظ جس کا استعمال چھوٹوں کے لیے اتنا غالب نہیں ہے جتنا برخوردار، اور باپ کے لیے بالمعنی الحقیقی والغوی کسی طرح خلاف بھی نہیں یہ ہے کہ کوئی باپ کو لکھے راحت جان طال عمرہ (آپ کی عمر دراز ہو) (طال عمرہ پر یاد آیا کہ لوگ لکھتے ہیں طول عمرہ بروزن غول کوئی لفظ ہے ہی نہیں لکھنا تو صحیح ہے مگر پڑھنے میں یہ لفظ طُوِّلَ عمرہ ہے اس کے معنی ہیں دراز کی جائے عمر اس کی دستور الصبیان پڑھنے والے اس کو یاد کرلیں اور اپنی غلطی کو صحیح کرلیں طول عمرہ پڑھیں یا لفظ ہی بدل دیں طال عمرہ لکھیں)۔

غرض یہ لفظ باپ کے لیے بالکل صحیح ہے کیونکہ بیٹے کو باپ سے محبت ہوتی ہے جیسے کہ باپ کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے، تو جیسا باپ کے لیے بیٹا راحت جان ہے اور وہ اس کی عمر کی درازی چاہتا ہے ایسے ہی بیٹے کے لیے باپ بھی راحت جان ہے اور وہ بھی اس کی عمر کی درازی چاہتا ہے تو لفظی اور لغوی معنی کے لحاظ سے تو یہ اطلاقات بالکل صحیح ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ ایسا لکھنا گستاخی ہے اور اگر کوئی بیٹا ایسا کرے تو باپ کی طرف سے ضرور اس پر سرزنش (۴) کی جائے گی وجہ یہ ہے کہ عنوانات کو بھی دخل ہے۔

دور حاضر کے فقراء کا حال

اسی طرح نصاریٰ جو اپنے واسطے ابناء (۵) اور احباء کا لفظ استعمال کرتے تھے

(۱) ''آپ کہئے پس کس کے لیے تم کو تمہارے گناہوں کی سزا دیں گے'' المائدہ:۱۸ (۲) اللہ کا بیٹا ہونے کا لفظ بے ہودہ ہے (۳) عزیزم میری آنکھوں کے نور (۴) ڈانٹ ڈپٹ (۵) بیٹے۔

اس میں معنوی ولفظی دونوں گستاخیاں جمع تھیں ان کی مراد معنی حقیقی نہ ہوتے تھے مگر اس کا اطلاق بھی حق تعالیٰ کے مقابلہ میں بدتمیزی ہے یہی حالت آج کل فقراء کی ہے کہ اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے یہاں اتنا دخیل سمجھتے ہیں کہ بیٹے اور محبوب کو بھی شاید اتنا دخل نہ ہو اگر زبان سے لفظ نَحْنُ أَبْنَٰٓؤُا اللَّهِ وَأَحِبَّٰٓؤُهُ (۱) نہ کہا تو کیا ہے قالاً نہ سہی حالاً تو (۲) یہ دعویٰ موجود ہے چنانچہ باوجود نافرمانی کے بدستور اپنے کو مقبول سمجھتے ہیں تو بس آج کل درویشی کی یہ حالت ہے کہ ایک دفعہ بزرگی کا لقب ملا اور رجسٹری ہوئی پھر نہ مارے مرے نہ کاٹے کٹے کسی طاعت کی ان کو ضرورت نہیں رہی کوئی معصیت ان کو مضر نہیں ہوتی ان کی بزرگی ایسی ہوجاتی ہے جیسے ہندوستان کا نکاح کہ جب ایک دفعہ بندھ گیا تو کسی طرح بھی نہیں ٹوٹتا حتیٰ کہ کفر سے بھی نہیں جاتا بہت سے نوجوان ایسے موجود ہیں (اور یہ برکات ہیں تعلیم جدید اور آزادی کی) کہ عقائد ان کے اسلام کے خلاف ہیں اور منہ سے بھی کلمات کفر بکتے ہیں اور نکاح ان کا جیسا ہوا تھا ویسے ہی موجود ہے برابر جھڑا جھڑ اولاد ہو رہی ہے اور سب حلال کی ہے۔

داماد کا اسلام تو دیکھ لینا چاہئے

خدا بچاوے آج کل تو ضرورت اس بات کی ہے کہ نکاح کے وقت یہ بھی دیکھ لیا جاوے کہ کافر سے نکاح کیا جارہا ہے یا مسلمان سے، پہلے زمانہ میں تو لڑکوں کے اعمال دیکھے جاتے تھے کہ نمازی اور پرہیزگار بھی ہے یا نہیں، اب وہ زمانہ ہے کہ ایمان پر آبنی ہے اعمال کو چھوڑا اگر ایمان ہی داماد کا صحیح سالم ہو تو بڑی خوش قسمتی ہے ایسی نظیریں اس وقت کثرت سے موجود ہیں کہ ایک شریف اور پکے مسلمان دیندار کی لڑکی اور وہ ایک ایسے لڑکے کے تحت میں ہے کہ وہ ضروریاتِ دین کا بھی قائل نہیں ہے مگر دونوں خاندان خوش ہیں اور اولاد بھی ہو رہی ہے اور علانیہ اس نے کلمات کفر بکے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی اگر کوئی دوسرا آدمی کچھ کہے تو سب لوگ مارنے مرنے کو تیار ہوجاویں کہ ہماری لڑکی کو بدکار بتلایا جاتا ہے مصیبت ایسی لڑکیوں کی ہے کیونکہ وہ اگر دیندار ہوئیں

(۱) ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں (۲) زبان سے نہ سہی اپنی حالت سے تو ظاہر کیا۔

اور جانتی ہوئیں کہ نکاح باقی نہیں رہا تو ان پر کیا گزرے گی مگر ظالموں کے ہاتھ میں ہیں اور بے بس ہیں ماں باپ ہی نے اس کو کنویں میں دھکا دیا ہے تو دوسرا کون دادرسی (۱) کرے۔

نکاح سے متعلق ایک غلو

نکاح کے بارے میں ایک طرف تو یہ غلو ہے اور بعض جگہ دوسری طرف غلو ہے کہ ذرا ذرا بات میں نکاح رخصت، ایک پیر صاحب تھے کہ وہ ہر ہفتہ مریدوں کا نکاح دوبارہ پڑھایا کرتے تھے ان کا دماغ خراب تھا بعض جگہ دماغ بھی خراب نہیں مگر شرارت سے نکاح کے زوال کا ڈر دکھاتے ہیں۔ چنانچہ ایک پیر صاحب گاؤں میں پہنچے اور کسی سے اجرت نکاح خوانی کی کمی پر خفا ہوئے تو کہا میں تیرا نکاح ادھیڑ دوں گا اور پڑھا وَٱلشَّمۡسِ وَضُحَىٰهَا اُدھڑ بے نکاحا بس ان کے عمل سے نکاح ادھڑ گیا۔ تو نکاح بعضوں کے یہاں تو کچا تاگا ہے کہ بات بہانے ٹوٹتا ہے اور بعضوں کے یہاں لوہے کا ہے کہ توڑنے سے بھی نہیں ٹوٹتا لوہا تو کاٹنے سے کٹ بھی جاتا ہے مگر یہ نکاح اٹل ہے کہ کسی طرح بھی اس میں تغیر نہیں آسکتا۔

رضاعی بہن سے نکاح

ایک جگہ ہمارے قرب میں غلطی سے یہ ہوا کہ ایک لڑکی کا نکاح پڑھا گیا اور رخصتی بھی ہوگئی اس کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکی اس کی رضاعی بہن ہے کہ وہ جس عورت کا دودھ پیتی تھی ایک روز اس لڑکے نے اس کا دودھ پی لیا تھا اب شرعی مسئلہ تو یہ ہے کہ جب معلوم ہوگیا تو اب دونوں میں تفریق کردینی چاہئے جو ہوا سو ہوا مگر اس کو گھر والوں نے غیرت کے خلاف سمجھا اور کوشش کی کہ کسی طرح یہ نکاح صحیح ہی رہے جا بجا مسئلہ پوچھا کسی کے باوا کی جاگیر تو نہیں ہے کہ اس میں تغیر تبدل کرسکے صاف کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ رضاعی بہن بھی حقیقی بہن کے حکم میں ہے کہیں سے فتویٰ نہ ملا تو وہ کسی غیر مقلد کے پاس پہنچ گئے اور اس سے یہ مسئلہ سنا کہ بچہ جب تک پانچ گھونٹ نہ پیئے رضاع کا حکم ثابت نہیں ہوتا بس انہوں نے ایک سوال اسی قید سے بنایا حالانکہ آج کس کو یاد ہے کہ اس

(۱) فریاد سنے۔

نے کتنے گھونٹ پیئے تھے اور اس سوال کا جواب ایسے ہی شخص سے لکھوا کر فتویٰ حاصل کرلیا اور دل کو سمجھا لیا اور دونوں میں تفریق نہیں کی اور یہ مسئلہ گو اختلافی ہے مگر اول تو بلا ضرورت دوسرے کی تقلید کیسے درست ہوگی پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ پانچ گھونٹ نہیں پیئے تھے، کچھ نہیں بس ایک آڑ ہاتھ آ گئی تعجب ہے کہ تفریق تو غیرت کے خلاف تھی اور تمام عمر کے لیے حرام میں مبتلا رہنا غیرت کے خلاف نہیں۔

لوہے کے نکاح

غرض بعضے نکاح ایسے پختہ ہیں، میرے پاس ایک مسئلہ آیا کہ خاوند طلاق دیتا ہے مگر عورت کہتی ہے کہ تو کتنی ہی طلاقیں دے میں لیتی ہی نہیں تو اس صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں، ایسی موٹی بات میں بھی تامل ہے یہ لوہے کے نکاح ہیں اسی طرح بعض اس غلطی میں ہیں کہ عورت اگر خاوند کو باپ کہہ دے تو طلاق ہوجاتی ہے (باپ کہا اور باپ ہوا) غرض دونوں طرف غلو ہے، اور اکثر تو ہندوستان کے نکاح مضبوط ہی ہیں۔

ایسے ہی ہندوستان کی بزرگی بھی بڑی مضبوط ہے کہ ایک دفعہ نام لگ گیا پھر جا ہی نہیں سکتا، مریدوں کی یہ حالت ہے کہ ان کو بزرگ سمجھتے ہیں اور ان کے بُرے سے بُرے فعل کی بھی تاویل کرتے ہیں یہ تو ٹھیک ہے کہ خطائے بزرگاں گرفتن خطاست (بزرگوں کی خطا پکڑنا خطا ہے) بزرگوں کے اقوال کی حتیٰ الامکان تاویل ہی کرنا چاہیے مگر پہلے بزرگی کا بھی تو ثبوت ہوجاوے جب ان کا کوئی فعل بھی اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے حکم کے موافق نہیں تو وہ بزرگ کیسے ہوئے اور کس نے بزرگ بنایا اور اگر ایسی ہی تاویل کی ٹھہرے گی تو بت پرستوں کو بھی لڑکی دینا پڑے گی کیونکہ بری بھلی تاویل تو اس کی بھی ہوسکتی ہے مثلاً یہ کہ بمصلحت ملامت کے ظاہراً بت پرستی اختیار کر رکھی ہوگی جیسے کہ پیر صاحب کو کہتے ہیں کہ بمصلحت ملامت کے نماز وغیرہ نہیں پڑھتے اللہ بچاوے۔

ہر جگہ تاویل کرنے کی خرابی

اور اگر ایسی تاویلوں پر احکام کا دارو مدار ہوگا تو نہ کوئی مومن مومن رہے گا نہ کوئی کافر کافر، کیونکہ مومن کو کہا جاسکتا ہے کہ بمصلحت مومن بنا ہوا ہے ممکن ہے کہ حقیقت

میں مومن نہ ہو اور کافر بمصلحت [۱] کافر بنا ہوا ہے حقیقت میں کافر نہ ہو نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان کا تو جنازہ نہ پڑھو اور ہندو کا جنازہ پڑھو کیونکہ کوئی معیار تو حقیقت حال کے معلوم کرنے کا رہا ہی نہیں احتمال پر دارومدار رہا یہ کیا خرافات ہے۔

اگر شریعت سے بھی قطع نظر کرلی جاوے تب بھی وہ کونسی عقل ہے جو اسی طریقہ کو جائز رکھتی ہو کہ ہر وقت تاویل سے کام لیا کرو ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک شخص کے گھر میں کوئی اجنبی آدمی آدھی رات کو گھس آوے اور اس سے کچھ اندیشہ نہ کیا جاوے چور وغیرہ ہونے کا اس بنا پر کہ ممکن ہے کہ کسی کام سے اور کسی نیک ارادہ سے آیا ہو اس صورت میں تو یہ کریں گے کہ احتمال بھی وہی نکالا جاوے گا جس میں احتیاط کا پہلو ہو اور اپنے لیے مفید ہو یعنی اس کو پکڑ کر فوراً پولیس میں پہنچایا جاوے گا اور اس کا کافی انتظام کیا جاوے گا صرف اس بناء پر کہ ممکن ہے کہ چور ہو اور ظاہر کو اس کا قرینہ ہونے کے لیے کافی سمجھا جاوے گا وہ ظاہر پر ہے کہ بلا سبب اور بلا وجہ کیوں آیا نہ یہ کہ چھوڑ دیا جاوے گا اس بنا پر کہ ممکن ہے کہ چور نہ ہو جب ہر کام میں اسی پر عمل ہے کہ ظاہر کو باطن کی دلیل سمجھا جاتا ہے تو دین ہی ایسی کیا زائد اور فضول چیز ہے کہ اس کے لیے تاویلوں ہی پر حکم کرلیا جاتا ہے اور کوئی کھلم کھلا بد دینی کے کام کرتا رہے تب بھی اس کو دیندار اور مقتداء ہی کہا جاتا ہے۔

اچھے اور بُرے کا معیار

خوب سمجھ لو کہ اچھے اور برے کا معیار یہی ہے کہ ظاہری حالت کو دیکھو اگر ظاہر دین کے موافق ہو تو دیندار سمجھو اور اگر ظاہر دین کے خلاف ہے تو بد دین سمجھو ہاں یہ ضرور ہے کہ کبھی کسی پختہ دیندار کا کوئی فعل اگر ایسا ہو کہ صورتاً دین کے خلاف معلوم ہوتا ہے تو اس وقت جلدی نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ واقع میں خلاف نہیں ہوتا مگر یہ شاذ و نادر [۲] ہوتا ہے اعتبار اکثری حالت کا ہے نہ یہ کہ بلا وجہ اور بلا ضرورت اور قصد و اختیار کے ساتھ ہر وقت کفریات کی بارش ہوتی رہتی ہے اور ان کی بزرگی میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا بُرے سے بُرے فعل کرتے ہیں اور مرید صاحب سب میں تاویل کرلیتے ہیں۔

---

(۱) مصلحت کے تقاضے (۲) کبھی کبھار۔

ایک زانی پیر کا قصہ

کانپور میں ایسے ہی ایک پیر صاحب تشریف لائے جو اس قدر آزاد تھے کہ ایک بازاری عورت سے منہ کالا کیا چاروں طرف سے اعتراض ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ میاں کون کرتا ہے اور کون کراتا ہے ہمہ اوست (سب وہی ہے) بس مریدین ومعتقدین کی تسلی ہوگئی کہ شیخ پر وحدۃ الوجود(۱) کا غلبہ ہے اور بڑے عالی مقام شیخ ہیں۔ ہمہ اوست سے کیا اچھا کام لیا گیا ہے ایک طوفان بدتمیزی ہے کہ دینداری کی تو یہ حالت پھر ایسوں کو ولی اللہ کہا جاتا ہے۔ گویا ولی اللہ اور عدوّاللہ ایک چیز ہے۔ غرض اس قدر پختہ اور رجسٹری شدہ ہے ہندوستان کی بزرگی کہ ایک دفعہ ایسی پکی مہر اس پر لگائی گئی ہے کہ کبھی وہ جا ہی نہیں سکتی بلکہ ایسی رجسٹری شدہ ہے کہ اگر ایک دفعہ قبالہ(۲) بھی جل گیا تو پھر عدالت سے اس کی نقل لے لی یہ اندھیر ہو رہا ہے۔

اس طول طویل سے میری غرض یہ ہے کہ فقراء بھی خواص میں سے ہیں اور بااثر ہیں حتیٰ کہ مشاہدہ ہے کہ ان کا اثر علماء سے بھی زیادہ ہے اور عوام تو درکنار خود علماء پر بھی زیادہ اثر ہے یہی وجہ ہے کہ بعض علماء بھی فقراء کے معتقد ہیں ایک فقیر صاحب جارہے تھے اور ایک عالم صاحب ان کے پیچھے پیچھے حقہ لئے جاتے تھے یہ دلیل ہے اس کی کہ فقراء علماء سے بھی زیادہ بااثر ہیں کیونکہ ان کا اثر علماء پر بھی چلتا ہے۔

امراء بھی بااثر ہیں

غرض ایک بااثر گروہ تو فقراء کا ہوا اور علماء بااثر ہوتے ہی ہیں سب جانتے ہیں یہ دو گروہ ہوئے اور تیسرا گروہ امراء کا ہے یہ جماعت بھی بااثر ہے دینی اثر نہ سہی مگر دنیوی اثر بہت ہے اور ان کا کچھ اثر طبعاً زیادہ پڑتا ہے ایک امیر جس خیال کا ہو سینکڑوں اسی کے ساتھ ہوجاتے ہیں اگر نیک ہے تو نیک اور بد ہے تو بد، نواب صاحب ڈھاکہ ہر وقت جماعت میں شریک ہوتے تھے اور عمامہ باندھتے تھے تو ان کی وجہ سے سینکڑوں آدمی جماعت کے پابند تھے اور عمامہ باندھتے تھے۔

(۱) حقیقی وجود تو صرف اللہ ہی کا ہے (۲) سند ملکیت جو نیلام کرنے والے کی طرف سے ملے یعنی خط فروختگی۔

امراء کے بااثر ہونے پر ایک لطیفہ یاد آیا ایک بزرگ بھوپال میں تھے بیگم صاحبہ ان کی زیارت کو آئیں جب بیگم صاحبہ واپس ہونے لگیں تو انہوں نے ان کی جوتیاں جھاڑ کر سیدھی کردیں انہوں نے کہا توبہ توبہ آپ نے بزرگ ہوکر مجھ گنہگار کو شرمندہ کیا انہوں نے فرمایا تم مجھ سے زیادہ بزرگ ہو بیگم صاحبہ نے پوچھا کس طرح؟ انہوں نے کہا کہ میں مدت سے کوشش کرتا ہوں کہ بیوہ عورتیں نکاح کرلیں مگر کچھ اثر نہیں ہوتا تم اگر ایک دفعہ اعلان کردو تو پھر دیکھو کیا ہوتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور بکثرت نکاح ہوئے سو یہ کا ہے کا اثر ہے امیری کا۔

غرض امراء کا بھی اثر بہت ہے بلکہ بعض حیثیت سے امراء کا اثر علماء اور فقراء سے بھی زیادہ ہے کیونکہ علماء اور فقراء کی بڑی دوڑ یہ ہے کہ زبان سے فہمائش (۱) کردیں اور امراء کو یہ بھی قدرت ہے کہ زبردستی کام کروالیں اور امیر ہونے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ایک ڈپٹی امداد علی صاحب تھے مولوی آدمی تھے وعظ بھی کہا کرتے تھے، ان کے وعظ میں منہ کے سامنے اور سب سے آگے وہ وکلاء بیٹھا کرتے تھے جو وعظ کو جانتے بھی نہیں تھے مگر ڈپٹی صاحب کی خوشامد میں سب سے آگے رہتے تھے بات یہ ہے کہ امراء کے ساتھ عام طور سے لوگوں کے کچھ اغراض ومنافع وابستہ ہوتے ہیں اور ان کی مخالفت کرنے میں ان کے فوت کا احتمال ہوتا ہے اس واسطے امراء کی خوشامد کرنا ہی پڑتی ہے اور جس طرف وہ چلیں اس طرف چلنا پڑتا ہے۔

میرے ایک دوست کہتے تھے کہ مردم شماری کے زمانہ میں، میں نے اپنے ایک ملنے والے سے کہا جو اسی کام پر تعینات تھے کہ بڑا ثواب ہوگا اگر تم اس وقت میں ایک کام کردو وہ یہ کہ جب کسی مسلمان کے یہاں مردم شماری کرنے جاؤ تو جہاں اور خانہ پُریاں کرتے ہو یہ بھی پوچھ لیا کرو کہ نمازی ہے یا نہیں انہوں نے ایسا ہی کیا حضرت صرف اس پوچھنے کا یہ اثر ہوا کہ ہزاروں آدمی نمازی ہوگئے حالانکہ کاغذ میں اس کے لیے کوئی خانہ نہ تھا اس سوال ہی سے لوگ یہ سمجھے کہ حکام کو اس کی طرف توجہ ہوئی ہے نماز نہ پڑھنے پر کوئی برا نتیجہ متفرع (۲) ہوگا صرف اس احتمال اور خیال کا وہ اثر ہوا کہ

---

(۱) سمجھادیں (۲) برا انجام ہوگا۔

کسی وعظ اور فہمائش کا نہ ہوتا وجہ کیا ہے کہ حکومت کی طرف ہر شخص کے اغراض ومقاصد رجوع ہوتے ہیں ان پر اثر پڑنے کا احتمال ہوگیا۔

امارت اور حکومت کو بڑا دخل ہے

اسی طرح انہوں نے ایک سب انسپکٹر صاحب سے کہا تھا کہ آپ کوشش کریں تو نمازی بہت ہوجاویں انہوں نے کہا میں کیا کوشش کرسکتا ہوں قانوناً اس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے کہا مداخلت کچھ نہ کیجئے صرف اتنا کیجئے کہ جو بے نمازی ملے جھوٹ موٹ اس کا نام نوٹ بک میں لکھ لیا کیجئے اور زبان سے کچھ نہ کہئے اس کا اثر یہ تھا کہ تمام علاقہ کے آدمی نمازی ہوگئے۔

غرض امارت اور حکومت کو بڑا دخل ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ملک شام میں ایک شخص نے متشابہات (۱) میں کچھ گفتگو کی تھی تو آپ نے اس کے درے لگوائے تھے اس کا یہ اثر ہوا کہ تمام ملک میں اس کا انسداد (۲) ہوگیا اور آج کل یہ نوبت ہے کہ بچوں کی زبان پر بھی یہی گفتگو ہے متشابہات سے ادھر کوئی بات چیت ہی نہیں کرتا کیونکہ حکومت کا خوف نہیں ہے اسی معنی کر حضرت عمرؓ نے کہا یزع السنان اکثر مما یزع القرآن یعنی حکومت وہ انسداد کرسکتی ہے جو قرآن (یعنی وعظ ونصیحت) نہیں کرسکتا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا شعر ہے۔

الوعظ ینفع لو بالعلم والحکم والسیف ابلغ وعاظ علی القمم (۳)

اور فرمایا کرتے تھے کہ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بطور امتنان فرمایا ہے

وَأَنزَلْنَا ٱلْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ (۴)

اہل سنان (۵) کا اثر

حاصل یہ کہ اہل سنان کا بڑا اثر ہوتا ہے اور مولانا فرمایا کرتے تھے کہ اس میں نعلدار جوتا بھی داخل ہے کیونکہ اس میں بھی حدید ہے اور مولانا نے نعلدار (۶) جوتے

(۱) قرآن کریم کی آیات متشبہات (۲) سد باب (۳) ’’وعظ نافع ہے اگر علم وحکمت کے ساتھ ہو اور سب سے بڑی واعظ تلوار ہے‘‘ (۴) ’’ہم نے لوہے کو پیدا کیا یعنی ہتھیاروں کو کہ اس سے بڑا خوف پیدا ہوتا ہے‘‘ الحدید: ۲۵ (۵) اہل تلوار یعنی صاحب اقتدار (۶) ایسا جوتا جس کی ایڑی میں مضبوطی کے لیے لوہا لگایا جائے۔

کا نام روشن دماغ رکھا تھا کیونکہ کیسے ہی کسی کے دماغ میں رعونت (۱) بھری ہو اور اس نے اس کو اندھا کر رکھا ہو اس سے ذرا دیر میں سب کافور ہو جاتی ہے اور دماغ میں روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور خیالات صحیح ہو جاتے ہیں۔

غرض امراء کو یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ یوں کسی کے سمجھ میں نہ آئے تو یہ جبراً اس سے کام کرالیں بعض جگہ نماز نہ پڑھنے پر امراء نے لوگوں کو پٹوا دیا ہے بس پھر کوئی عذر کسی کو مانع نہیں رہا یہاں کوئی شاید یہ شبہ کرے کہ ایسی نماز سے کیا فائدہ جو بجبر (۲) واکراہ پڑھی جاوے میں کہتا ہوں اس سے بھی فائدہ ہے اول تو یہ کہ بے نمازی کم ہو جاتے ہیں اور گناہ کی نحوست رفع ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ اس وقت تو وہ نماز بجبر ہے مگر نماز میں اثر یہ ہے کہ وہ خود دل میں گھر کر لیتی ہے پھر آدمی واقعی نمازی ہو جاتا ہے۔ اس کی شہادت صدہا واقعات سے ملتی ہے کہ نماز شروع تو کی گئی کسی کے ڈر اور دباؤ سے یا شرما حضوری سے یا دیکھا دیکھی یا کسی لالچ سے مگر چند ہی روز میں وہ اصلی اور واقعی نماز ہو گئی اور ڈر اور دباؤ وغیرہ جاتا بھی رہا مگر نماز بدستور رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسا ہوا ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ میں ایمان جب لاؤں کہ مجھے فلاں پہاڑوں کے درمیان جو بکریاں چرتی ہیں وہ دے دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً عطا فرما دیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ سخاوت تھی کہ یہ بکریاں کیا چیز تھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو کچھ بھی مانگا جاتا اور انکار نہ فرماتے فرزدق شاعر کہتا ہے۔

ما قال لاقط الا فی تشھدہ لولا التشھد کانت لاؤہ نعم

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لا تو کبھی کہا ہی نہیں سوائے کلمہ شہادت کے کہ اس میں تو لا الٰہ الا اللہ میں کہنا ہی پڑا، اس کے سوا کبھی کسی بات میں لا نہیں کہا، اگر تشہد نہ ہوتا تو لا کوئی لفظ ہی حضور سے کی زبان میں نہ رہتا بلکہ اس کی جگہ نعم یعنی ہاں ہو جاتا لا سے عربی زبان کا لا مراد ہے جس کے معنی نہیں کے ہیں یعنی سوال کے جواب میں کبھی نا نہیں کی اور لا سے کوئی اردو کا لا نہ سمجھے کہ جس کے معنی ہیں لاؤ کچھ دلواؤ اگرچہ ہے یہ بھی صحیح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی سے سوال بھی نہیں کیا (مسکرا کر)۔

(۱) تکبر (۲) زبردستی پڑھی جائے۔

غرض عربی کا لالو یا اردو کا لالو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں اس کا نام نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ آج کل کے پیروں کا سا نہ تھا کہ ان کے یہاں لا سب سے پہلے رکھا ہوا ہے کہتے ہیں خالی آوے خالی جاوے۔

خالی کی دو قسمیں

صاحبو! اس جملہ کا بھی ایک صحیح مطلب ہوسکتا ہے وہ یہ کہ خالی کی دو قسمیں ہیں خالی عن الخلوص (خلوص سے خالی) اور خالی عن الفلوس (پیسوں سے خالی) تو مراد اول قسم ہے نہ دوم مطلب یہ ہے خلوص سے خالی نہ جاؤ پیر کے پاس اگر خلوص سے خالی جاؤ گے تو فیض سے بھی خالی آؤ گے یہ مضمون بالکل صحیح اور سچا ہے اور کھاؤ کماؤ پیروں نے دوسری قسم مراد لی ہے کہ جب تک نذرانہ نہ دو فیض نہیں ہوسکتا اور یہاں تک نوبت ہے کہ تقاضا کر کے نذرانہ وصول کیا جاتا ہے۔

ایک کھاؤ پیر کا قصہ

ایک شیخ صاحب سے مرید نے کہا کہ دعاء کر دیجئے فلاں نوکری مل جاوے کہا دعاء کریں گے مگر شرط یہ ہے کہ پہلی تنخواہ ہماری ہوگی خدا کی قدرت وہ نوکری مل گئی اور شیخ صاحب کو خبر ہوئی کہا لاؤ پہلی تنخواہ بے چارہ غریب آدمی تھا کہا حضرت جی کچھ کم لے لیجئے۔ کیا نیت بدلی ہے تو نوکری بھی کر لو گے وہ بے چارہ خواہ مخواہ ڈر گیا اور سمجھا کہ اللہ میاں کے یہاں ان کے چلتی ہے ایسا نہ ہو کہ نوکری جاتی ہے۔

صاحبو! یہ کیا طریقہ ہے کس قدر بے حیائی اور شوخ چشمی (۱) ہے کہ اول تو مطلق سوال ہی بے غیرتی کی بات ہے پھر اس بے باکی کے ساتھ کہ ڈراوا بھی دیا جاتا ہے یہ تو اچھا خاصا ڈاکہ ہے اور نہ معلوم لوگ ایسے ڈاکوؤں سے کیوں ڈرتے ہیں کیا کوئی بات ان کے بس میں ہے یا خدا کے کارخانہ میں یا مشیر یا مدار المہام (۲) ہیں کہ ان سے پوچھ کر کوئی کام کیا جاتا ہے اصل یہ ہے کہ یہ ڈرنے والے لوگ خدا کو راضی نہیں رکھتے ورنہ کسی ڈاکو سے کیا ڈر تھا جب خدا کو راضی نہیں رکھا جاتا تب ہی قلب میں ضعف پیدا

(۱) بے شرمی (۲) خدا کو مشورہ دینے والے یا اس کے وزیر اعظم ہیں۔

ہوتا ہے اور آدمی ایسے پیروں سے ڈرنے لگتا ہے اور درخت سے ڈرتا ہے اور بھوت سے ڈرتا ہے درخت اور بھوت اور ایسے پیر چیز کیا ہیں خدا کے سامنے۔

خوف مضرت

حضرت حاجی صاحبؒ کا قول ہے کہ میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور اگر مخلوق میں کچھ ڈر ہے تو اپنے نفس کا ان میں ایک خوف عظمت کا ہے یعنی وہ خوف جس کی وجہ عظمت ہو تو یہ خدا سے چاہئے اور ایک خوف مضرت یعنی نقصان کا ہے یہ خوف نفس سے چاہئے بس اس کے سوا کوئی خوف مسلمان کے پاس نہیں آسکتا اسی بارے میں کہا ہے۔

موحد چہ ریزی زرش　　چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس　　ہمین ست بنیاد توحید و بس(۱)

اور جب خدا کا ڈر کسی قلب میں نہیں ہوتا تو پھر سب کا ڈر اس پر مسلط ہوتا ہے غرض بیچارے نے پوری تنخواہ نذر کی وہ تنخواہ کیا تھی اس کی تو جان خواہ(۲) تھی کہ دم نکل گیا اتنی رقم بلاوجہ دیتے ہوئے اور پیر کی تنخواہ تھی کہ خوب تن آسانی ہوئی۔

غرض آج کل کے پیروں کے پاس لا ہی لا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں اس کا نام نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو وہ بکریاں دے دیں یہ تالیف قلب تھی یہاں بھی یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایمان کیا ہوا جو بکریوں کے لالچ سے ہوا اصل یہ ہے کہ بکریاں صرف ابتداء میں اس کے لیے ایک ذریعہ ہیں پھر وہ ایمان خود ایسی چیز ہے کہ اس کے پاس پہنچنے کی دیر ہے وہ خود اڑ کر لپٹتا ہے اور آدمی اس سے پھر الگ ہو ہی نہیں سکتا جملہ طاعات کی یہی حالت ہے کہ جب تک آدمی ان سے علیحدہ ہے تب ہی تک وحشت ہے اور ایک دفعہ جبر سے اکراہ سے لالچ سے حتٰی کہ بطور ہنسی دل لگی کے بھی کسی کے پاس آجاوے پھر ممکن نہیں کہ اس کو چھوڑ سکے یہ اس شبہ کا حل ہے کہ ایسی نماز سے کیا فائدہ ہے جو پٹنے کے ڈر سے پڑھی گئی۔ بات اس پر چل رہی تھی کہ امراء کو ایک طرح سے وہ قدرت حاصل ہے کہ فقراء وعلماء کو بھی نہیں۔

---

(۱) ''موحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ سونا بکھیریں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں امید اور خوف اس کو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے'' (۲) جان لینے والی۔

باا ثر جماعتیں

خلاصہ یہ کہ امراء بھی ذی اثر (۱) جماعت ہے تو ذی اثر جماعتیں جن کو میں نے خواص کہا تھا تین ہوئیں علماء، فقراء، امراء اور ایک جماعت مسلمانوں میں عوام کی ہے، تو کل چار جماعتیں ہوئیں اور اس بارے میں ان چاروں میں کچھ نہ کچھ کوتاہیاں ہیں خواہ اصالۃً خواہ تبعاً چنانچہ عوام کی تو اصالۃً کوئی خاص حالت ہی نہیں بلکہ خواص کی تقسیم سے وہ بھی منقسم ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ لوگ تابع ہوتے ہیں جو حالت متبوع کی ہوتی ہے وہی ان کی ہوتی ہے سو عوام میں سے بعضے علماء کے ساتھ ہوتے ہیں اور بعضے فقراء کے ساتھ اور بعضے امراء کے ساتھ جو جس کے زیر اثر ہو تو ان کی کوئی الگ حالت قرار دینا فضول ہے پس تین ہی جماعتیں رہیں علماء، فقراء، امراء انہی کی حالت میں عرض کروں گا۔

جماعت محققین

ہاں ایک پانچویں جماعت محققین کی ہے مگر اس کے بیان کی ضرورت اس واسطے نہیں کہ یہ تو کامل مکمل ہیں اور اس وقت مقصود بالبحث وہ لوگ ہیں جن کی حالت کی اصلاح کی ضرورت ہے پس ان تینوں میں سے ایک جماعت علماء کی ہے علماء کے ساتھ یہ قید ذہن میں رکھئے کہ مراد علماء اہل نقص (۲) غیر کامل ہیں جنہوں نے اپنی اصلاح پوری پوری نہیں کی کیونکہ میں محققین کی جماعت کو الگ کر چکا ہوں سو ان میں تو یہ مرض ہے کہ ان کو صرف ظاہر کی اصلاح کا اہتمام ہے اور باطن کی اصلاح کا اہتمام نہیں ظاہر ان کا خود بھی درست ہے اور دوسروں کو بھی اس کی درستی کی تعلیم کرتے ہیں وعظ میں ان کے یہ مضامین ہوتے ہیں کہ سود نہ لو رشوت نہ لو شراب نہ پیو اور جوا نہ کھیلو اور جب کسی نے ظاہر درست کر لیا تو ان کی تعلیم یہ ہے کہ اب اس سے کچھ تعرض نہ کرو وہ کمال کو پہنچ گیا اور اس کے ثبوت کے لیے پڑھ دیتے ہیں۔

ہر کرا جامہ پارسا بینی   پارسا دان و نیک مرد انگار (۳)

بس ان کی بڑی دوڑ یہ ہے ان کو باطن کی طرف بالکل نظر نہیں اول تو اس

(۱) مؤثر جماعت (۲) ناقص (۳) ''جس کو پارسائی کپڑوں میں دیکھو اس کو پارسا اور نیک آدمی سمجھو''

کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے اور اگر ضرورت بھی سمجھیں تو پروانہیں اس ضرورت کو صرف عقیدہ کے مرتبہ میں رکھتے ہیں فعل میں نہیں لاتے حالانکہ باطن کے گناہ ظاہر کے گناہوں سے کہیں زیادہ بڑے اور شدید اور خطرناک ہیں یہ حیرت کی بات ہے کہ خفیف چیز کا اہتمام ہے اور شدید کا اہتمام نہیں ریا، حسد، حب دنیا، بخل، حرص، طمع، بغض، غضب کینہ وغیرہ بڑے بڑے امراض باطنی جن کی نسبت قرآن وحدیث میں نصوص(۱) موجود ہیں ان کی طرف توجہ نہیں مجالس میں جب کبھی ذکر ہوتا ہے تو صرف ظاہر کا مگر باطن کی اصلاح اور اس کے حقائق ودقائق کا کبھی ذکر نہیں آتا۔

علماء درویشوں کی طرف رجوع سے عار رکھتے ہیں

پھر ان مولوی صاحبوں سے کہے کون کیونکہ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب پہلے ہی انہوں نے لے لیا ہے ذرا کسی نے ٹوکا اور مخالفت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فتویٰ لگا (البتہ امام غزالیؒ ہیں ایسے جو کسی کو بھی کہنے سے نہیں چوکتے ان کی کتاب میں دیکھئے کیا گت بنائی ہے ایسے اہل ظاہر کی یہ لوگ بھی اگرچہ ان کے کہنے پر عامل نہ ہوں مگر معتقد ہیں ان کے اور ان کو برانہیں کہتے مگر ان کی تعلیم پر عمل بھی نہیں کرتے اور کہتے ہیں یہ تو ایسے مجاہدے بتاتے ہیں کہ ان کے ساتھ زندگی محال ہے۔

غرض نہ کبھی کسی باطنی مرض کا بیان ہوتا ہے اور نہ کسی خلق محمود(۱) کا نہ خشوع(۲) کا، نہ خضوع(۳) کا نہ تواضع(۴) کا غرض رذائل باطنی(۵) میں مبتلا ہیں اور فضائل باطنی(۶) سے محروم ہیں صرف ظاہر ہی ظاہر ہے اندر سے خالی بس لفافہ موجود ہے اور ان کو علم بھی ہوجاتا ہے اس کا کہ ہمارے اندر امراض موجود ہیں مگر کسی کے سامنے اپنے عیوب بیان نہیں کرتے کیونکہ اس کے معالج اور اہل فن ٹھہرے درویش اور دریشوں کی صورت ہی بالکل معمولی سی ہوتی ہے وہ ان کی نظر میں کہاں بچ سکتی ہے نہ جبہ ہے نہ عمامہ ہے نہ بڑا سالٹھ ہاتھ میں ہے پھٹے کٹے کپڑے ہیں ویرانوں میں رہتے ہیں مجمعوں سے دور بھاگتے ہیں متعارف تہذیب اور خاطر داری ان کو آتی نہیں پھر نظر

(۱) احکام (۲) اچھے اخلاق کا (۳) عاجزی وفروتنی نہ عاجزی وگڑگڑانے کا (۴) آؤ بھگت خاطر مدارات (۵) باطنی برائیوں (۶) باطنی فضائل سے محروم۔

میں کسی کے آویں تو کیسے آویں۔

حکایت حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ جیسے شیخ کا قصہ ہے کہ آپ ایک بار تھانیسر تشریف لے گئے وہاں آپ کا ایک مرید تھا جو قوم کا جولاہہ تھا مولانا جلال الدین تھا تھانیسریؒ کے پاس بھی مسئلے پوچھنے جایا کرتا تھا ایک دن شیخ کی نسبت انہوں نے اس جولاہہ سے کہا کہ تمہارا نچنیا پیر بھی تو آیا ہے شیخ پر شورش غالب تھی مطلق آواز پر حتٰی کہ چکی کی آواز پر رقص کرنے لگتے تھے اہل محبت کی یہی حالت ہوتی ہے۔

کسانیکہ ایزد پرستی کنند	بر آواز دولاب مستی کنند(۱)

آج کل لوگ ان کی نقل بناتے ہیں اور سماع کے لیے ان کے فعل سے استدلال کرتے ہیں اور ان کی سی حالت نہیں پیدا کرتے اور ان کو تو مطلق آواز سے حرکت ہوجاتی تھی یہ دلیل ہے شورش اور محبت کی اور جو شخص مقید ہے کسی خاص قسم کی آواز کا یعنی گانے بجانے کا کہ اس پر تو کودتا اچھلتا ہے اور معمولی آواز پر کچھ بھی نہیں تو یہ دلیل شورش اور محبت کی نہیں اس کے اندر تو چور ہے معلوم ہوتا ہے کہ مادہ فاسد اندر ہے جس کو حرکت اپنی لذت یعنی معصیت سے ہی ہوتی ہے کبھی قرآن سن کر ان کو وجد آتے نہ دیکھا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کا عاشق اور رفدائی تو وہ ہے جس کے حضرت امام کا نام سنتے ہی آنسو آجاویں اور غم کا ساز وسامان اور ڈھونگ بنانے سے تو دشمن کو بھی رونا آجاتا ہے محبت کو اس میں کیا دخل ہے۔

بزرگوں کو رنج دینا نہ چاہیے

ایک بزرگ کو پنکھے کی آواز سے وجد آجاتا تھا اور کواڑ کی آواز سے وجد آجاتا تھا درد اس کو کہتے ہیں غرض شیخ پر شورش(۲) غالب تھی اور اکثر رقص کیا کرتے تھے مولانا جلال الدین تھانیسریؒ کا یہ لفظ جولاہہ کو سخت ناگوار ہوا اور شیخ سے اس کو روایت کیا (چاہیے نہیں ایسی روایت کیونکہ فضول رنج دینا ہے) اور عرض کیا کہ سخت مصیبت ہے نہ ہم

(۱) ''جو لوگ خدا پرست ہیں وہ تو راہٹ کی آواز پر بھی وجد کرنے لگتے ہیں'' (۲) رقص کا غلبہ تھا۔

وہاں جانا چھوڑ سکتے ہیں کیونکہ مسائل کی ضرورت ہے اور نہ یہ لفظ سن سکتے ہیں کہیں پھر وہ یہ لفظ نہ کہیں شیخ نے فرمایا اب کی مرتبہ اگر وہ یہ لفظ کہیں تو کہہ دینا کہ وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ جولاہہ وہاں گیا انہوں نے پھر وہ لفظ کہا جولاہہ نے کہا وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں یہ سنتے ہی مولانا جلال الدین پر حالت غالب ہوئی اور ناچنے لگے دور بیٹھے یہ اثر پہنچ گیا پھر مرید ہوئے اور خلیفہ ہوئے غرض جن کی حالت خاکساری کی یہ ہو ان کی طرف وضعدار لوگ کیسے رجوع کریں اس واسطے ایسے علماء درویشوں کی طرف کم رجوع کرتے ہیں یہ کوتاہی تو علماء ظاہر میں ہے اس کی اصلاح یہ ہے کہ ان علماء کو چاہئے کہ مجاہدہ و ریاضت کریں اور درویش بنیں تاکہ دوسرے علماء و طلباء کی اجنبیت اس طریق سے رفع ہو اور یہ لوگ بوجہ مجانست (۱) ان سے رجوع کریں کیونکہ ایسے درویش سے جو کہ شہرت سے دور بھاگتے ہیں علماء کو عار ہوتی ہے حالانکہ یہ غلطی ہے علم کا مقتضا تو یہ ہے کہ حقیقت کو دیکھیں نہ عنوان وصورت کو۔

مبیں حقیر گدایان عشق راکیں قوم   شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند (۲)
گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں   کہ ناز بر فلک و حکم برستارہ کنم (۳)

عار نے کفار کو علوم وحی سے روکا

جو شخص طالب ہوتا ہے اس کو تو چیز ملنی چاہئے خواہ کہیں سے ملے اگر اشرفی کیچڑ میں پڑی ہوئی ملے تو جو شخص اشرفی کو جانتا ہے وہ کیچڑ کی پروا نہ کرے گا کیونکہ اشرفی تو اشرفی ہی ہے اور جو کیچڑ کو دیکھ کر اشرفی اٹھانے سے رک گیا وہ جاہل ہے اور اس نے اپنا نقصان کیا۔

اس درویشوں کے فرقہ سے جن لوگوں نے فائدہ نہیں اٹھایا وہ ان کی ظاہری شکستگی ہی کی وجہ سے محروم رہے حتیٰ کہ علماء بھی، مگر یہ بھی معلوم ہے کہ یہ وہی خصلت بد ہے جس نے کفار کو علوم وحی سے محروم رکھا کفار نے بھی تو یہی کہا تھا **لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا**

(۱) بوجہ ہم جنس ہونے کے (۲) ''گدایان عشق کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ یہ لوگ شاہان بے تخت تاج ہیں''
(۳) ''گدائے میکدہ ہوں لیکن مستی کی حالت میں دیکھو کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں''

ٱلْقُرْءَانُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ ٱلْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (۱) یعنی کفار کا یہ اعتراض تھا کہ قرآن اگر منجانب اللہ ہوتا تو طائف یا مکہ میں سے کسی بڑے آدمی پر اترتا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسے شکستہ حال پر کیوں اترتا کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شکستگی ہی سے تو عار کی جیسے کہ آج کل کے علماء درویشوں کی شکستگی سے عار کرتے ہیں دیکھئے اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے کیا دیا أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (۲) یعنی کیا ان کا اجارہ آتا ہے اور خدا تعالیٰ کی رحمت یعنی نبوت ان کی مرضی کے موافق تقسیم ہوگی یعنی ان کے انتخاب کو اس تقسیم میں کیا دخل ہے نبوت تو بڑی چیز ہے وہ چیز جو بہت ادنیٰ درجہ کی ہے اس کی بھی تقسیم میں ان کا کچھ اختیار نہیں جس کا بیان اگلے جملہ میں ہے نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ الخ (۳) یعنی دنیا کی معاش اور روزی جو ادنیٰ درجہ کی چیز ہے یہ بھی ان کے اختیار سے تقسیم نہیں ہوئی جس کو ہم نے زیادہ دے دی اسی کے پاس زیادہ ہے ممکن نہیں کہ جس کو کم دی ہے وہ اس سے لے لے یہ اپنی حیثیت سے زیادہ چل نکلے کہ خدائی کاموں میں دخل دیتے ہیں جن کو وہ قریتین میں سے عظیم کہتے تھے اور ان کو مستحق قرآن کے اترنے کا بتلاتے تھے ان کو عظیم کس نے کیا یہ کس قدر موٹی بات ہے اس پر انہوں یہ سوال کیوں نہیں کیا کہ وہ عظیم کیوں کئے گئے ہم عظیم ہوتے ان کی بے عقلی کو حق تعالیٰ نے الزامی جواب سے ثابت کر دیا یہی عار ہے جو آج کل کے علماء کو اصلاح سے روکتی ہے انبیاء علیہم السلام ہمیشہ شکستہ حال رہے ہیں قرب خدا کو کچھ شکستہ حالی ہی سے زیادہ مناسب ہے انبیاء کے نائب یعنی مشائخ اور اہل اللہ بھی ہمیشہ شکستہ حال ہی رہے ہیں اور انہی سے حاصل ہوا ہے جو کچھ کسی کو حاصل ہوا ہے۔

آج شکستہ حالوں سے بڑوں کو عار (۴) آتی ہے علماء کو خصوصاً اور اور امراء کو عموماً حتیٰ کہ ایک رئیس اودھ کے اس بات کے شاکی (۵) تھے کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی درویش تو بڑے کامل ہیں مگر ان کے یہاں طالبین کی عزت نہیں ہے شاید یہ تمنا ہوگی کہ جیسے ہماری رعایا کے آدمی ہم سے حضور حضور کر کے بولتے ہیں اور ہمارے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں یہی برتاؤ مولانا بھی کیا کریں رعایا تو کسی غرض

(۱) الزخرف: ۳۱ (۲) الزخرف: ۳۲ (۳) الزخرف: ۳۳ (۴) شرم آتی ہے (۵) شکایت کرتے تھے۔

سے ایسا کرتی ہے مولانا کو کیا غرض پڑی ہے بلکہ یہی اپنی غرض کو جاتے ہیں تو عقل وانصاف کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ یہی حضور حضور کریں اور ہاتھ جوڑیں کیونکہ یہ رعایا کی طرح صاحب غرض ہیں مگر دماغ ایسے خراب ہوئے ہیں کہ الٹی ہی بات ذہن میں آتی ہے غور کرنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ صاحب غرض کو لچنا(۱) چاہئے یا بے غرض کو؟ اور یہ بھی اس بات کو تسلیم کر کے کہا جاتا ہے کہ کسی کا برتاؤ واقع میں روکھا ہو ورنہ حقیقت حال تو یہ ہے کہ اہل اللہ بدتہذیب نہیں ہوتے بلکہ تہذیب اگر ہے تو انہی کے یہاں ہے ہاں کسی کی خوشامد نہیں کرتے بلکہ ہر شخص سے اس کے مناسب حال برتاؤ کرتے ہیں ان کی شکایت اپنے دماغ کا خلل ظاہر کرنا ہے جس کو خاطر داری اور عزت کہا جاتا ہے وہ خوشامد ہے کسی تحصیلدار اور مجسٹریٹ سے اس کی خواہش نہ کی ہوگی بلکہ اگر وہ سیدھے منہ سے بھی بول لیتے ہوں گے تو کہیں گے کہ فلانے حاکم بڑے اہل اور خلیق (۲) ہیں ورنہ بعضے حکام تو گالیاں دیتے ہیں اہل اللہ کے دربار میں کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ کبھی گالی سنی ہو اور طالبین کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا ہے اس کی کوئی شکایت نہیں ہوسکتی کیونکہ انہیں بعض وقت تشدد کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس کی شکایت کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی طبیب کی شکایت کی جائے کہ وہ مسہل دیتے ہیں اس واسطے ان کا علاج پسند نہیں کوئی ایسا طبیب بتاؤ جو بجائے مسہل کے حلوہ کھانے کو دے یہ بھی معلوم ہے کہ جہاں مسہل کی ضرورت ہے وہاں حلوے کا کام مسہل ہی دیتا ہے اور حلوہ اس موقع پر زہر کا کام دیتا ہے۔

شیخ کا ایک ادب

شیخ کو تعلیم کا طریقہ مت سکھلاؤ اس کو حق تعالیٰ نے سکھلا دیا ہے جب طبیب کے سامنے بولنے کی اجازت نہیں ہے تو شیخ کے سامنے کیسے ہوسکتی ہے اور اگر تم ایسے ہی طبیب کے بچے ہو تو خود ہی علاج کرلیا کرو لوگ آتے ہیں اور فرمائش کرتے ہیں کہ فلاناں مراقبہ بتادو تم ہو کون اس مراقبہ کو تجویز کرنے والے یہ وہی غلطی ہے کہ اپنا علاج خود کرنا چاہتے ہیں مریض کو چاہئے کہ حالات طبیب سے کہہ کر بس کہہ دے۔

(۱) دبنا چاہئے (۲) بااخلاق۔

سپردم بتو مایہ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را[۱]

جیسے دن رات طبیبوں کے سامنے یہی کرنا پڑتا ہے اگرچہ بعض طبیب بھی نرم ہوتے ہیں کہ مریضوں کی فرمائش پر علاج کرتے ہیں مگر یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہر وقت چل سکتا ہے حکیم محمود خان صاحب آن بان کے آدمی تھے بعضے اطباء امراء کی عادت بگاڑ دیتے ہیں اور خوشامد میں جس طرح وہ چاہتے ہیں علاج کرتے ہیں مگر محمود خاں صاحب کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی نے کہا کہ یہ دوا سرد ہے یا گرم کہہ دیتے گدھے ہو تم کیا جانو بات یہ ہے کہ وہ اہل کمال تھے اور کمال میں خاصہ ہے استغناء کا اسی واسطے کیمیا گر کسی کو منہ نہیں لگاتا گو فقیر ہو اور پھٹے حال میں ہو مگر کمال کا خاصہ یہی ہے۔

شیخ محقق کی شان

غرض کوئی فرمائش خود کرنا بدتمیزی ہے شیخ سے کوئی حالت اگر مخفی ہو وہ تو کہہ دے باقی طریقہ تعلیم اس کی رائے پر چھوڑ دے اول تو شیخ محقق خود ہی تحقیق فرمالیتا ہے اور طالب کے حالات کو پورے طور پر معلوم کرلیتا ہے تاکہ اس کے موافق علاج کرسکے چنانچہ ہمارے حضرت طالبین سے اتنے حالات معلوم کرتے تھے۔ فرصت کتنی ہے آمدنی کیا ہے، اور کتنی ہے ،صحت کیسی ہے، تعلقات کیا کیا ہیں، قوت کتنی ہے کیونکہ قوت سے زیادہ کام نہیں بتانا چاہئے۔

خستگاں را چوں طلب باشد وقوت نبود گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود[۲]

اور اسی طرح وہ عوام کو اشغال نہیں بتاتے اعمال بتاتے ہیں کیونکہ وہ اشغال کے ثمرات کے متحمل نہیں ہوں گے۔

چار پارا قدر قوت بار نہ برضعیفاں قدر ہمت کار نہ[۳]
طفل را گرناں دہی بر جائے شیر طفل مسکیں را ازاں ناں مردہ گیر[۴]

غرض وہ طالب کے تحمل کا اندازہ کرلیتا ہے اور تعلیم تمام شرائط کے ساتھ کرتا ہے پس اس

(۱) ''اپنی پونجی تجھ کو سپرد کردی کم وبیش کا حساب تو جانے'' (۲) ''کمزوروں کو جب طلب ہو اور قوت نہ ہو تو ان کی قوت سے زیادہ کام تم ظلم کرتے ہو جو شرط مروت کے خلاف ہے'' (۳) ''چار پاؤں پر بقدر قوت بوجھ لادو کمزوروں کو بقدر ان کی ہمت کے کام بتاؤ'' (۴) ''طفل کو اگر بجائے دودھ کے روٹی دوگے بے چارہ طفل کی اس روٹی سے مردہ جان لو''۔

کی اصول دانی کی یہ حالت ہے تو تم اس کو اصلاح مت دو بلکہ اگر اہمال(۱) بھی ہوجاوے شیخ سے تب بھی مضائقہ نہیں ہر وقت تمام باتوں کی طرف نظر پہنچنا مشکل ہے کسی وقت ایسا ہوتا ہے کہ فرصت نہیں ہے جیسے طبیب کے ہاں بھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی لیے نسخہ لکھا اور اس کی حیثیت کا اندازہ نہ ہوسکا بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی حیثیت کے لحاظ سے نسخہ قیمتی ہے جس کا وہ متحمل نہیں ہوسکتا اس وقت بھی مریض کو چاہئے کہ اصلاح نہ دے بلکہ عرض حال کردے کہ میری حیثیت اس کے استعمال کے قابل نہیں ہے مگر یہ استحقاق نہیں ہے کہ کوئی فرمائش کرے مثلاً یہ کہ بجائے مسہل کے حلوا لکھ دیجئے۔

اصلاح باطن کے لیے اہل علم کی توجہ کی ضرورت

بس شیخ کے سامنے تو اتباع کامل اور انقیاد محض (۲) کی ضرورت ہے جو بھی معالجہ وہ تجویز کرے اپنے علم اور تحقیق کو بالائے طاق رکھنا چاہئے بعض اہل علم کو یہی خیال ہوتا ہے کہ وہاں ہماری خاطر ہوگی مگر وہاں جاکر اس کا عکس ہوا کہ وہاں تو مولانا تھے اور اس نے پلہ داری اور کفش (۳) برداری وغیرہ کرائی بس ان کا دل ٹوٹ گیا اور بھاگ کھڑے ہوئے اب اس طرف جاتے بھی نہیں نتیجہ یہ کہ تمام عمر ویسے ہی رہتے ہیں حتی کہ اکثر کی حالت تو یہ ہوتی ہے۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل — واندروں قہر خدائے عزوجل
از برون طعنہ زنی بربا یزید — وز درونیت ننگ میدارد یزید(۴)

اہل علم کو خاص طور سے توجہ کی ضرورت ہے خدا نے علم دیا ہے تو عمل بھی حاصل کریں اور موانع (۵) کو نظر سے الگ کریں اور نری اصلاح ظاہر پر نہ رہیں بلکہ اصلاح باطن کو ظاہر سے زیادہ ضروری سمجھیں۔

نماز سے لوگوں کی وحشت کا حال

غرض اس جماعت میں تو اس کا غلبہ ہے کہ ظاہر کا اہتمام ہے اور باطن کا اہتمام

(۱)غفلت یا سستی بھی ہوجائے (۲)اس کی مکمل تابعداری (۳) سامان اور جوتے اٹھوائے (۴) ”ظاہری حالت تمہاری تو گوکافر کی طرح آراستہ وپیراستہ ہے اور اس کے اندر خدا بزرگ و برتر کا قہر وغضب نازل ہے ظاہر سے تو بایزید بسطامیؒ جیسے بزرگ پر طعنہ زنی کرتے ہو اور تمہاری اندرونی حالت سے شیطان بھی شرماتا ہے“ (۵) رکاوٹوں کو دور کریں۔

نہیں اب دو جماعتیں رہیں فقراء اور امراء ان دونوں میں امر مشترک (۱) یہ ہے کہ باطن کا اہتمام زیادہ ہے اور ظاہر کا اہتمام نہیں ہے گو دونوں میں منشاء الگ الگ ہے امراء تو ظاہر کے قصوں میں اس لیے نہیں پڑتے کہ اس میں محنت زیادہ ہے بس دل کو اس طرح سمجھا لیتے ہیں کہ دل پاک چاہئے ظاہری اعمال میں اگر کمی بھی رہی تو چنداں (۲) حرج نہیں اور مشقت کی وجہ سے ان اعمال کو چھوڑ دیتے ہیں جیسے کہ ایک رئیس کے بچہ کے پڑھانے کے لیے ایک معلم رکھے گئے انہوں نے پانچوں وقت کی نماز پڑھوانا شروع کی نماز کے لیے سردی میں علی الصبح (۳) وضو بھی کرنا پڑتا اس سے بچہ کو زکام ہوگیا ماں کوستی تھی کہ خدا ناس کرے اس مولوی کا جب سے یہ آیا ہے میرے بچہ کو زکام ہی رہنے لگا۔

اسی طرح ایک بہت بڑے موقعہ کے سیکرٹری نے بیان کیا اور تحریر دکھلائی کہ دیکھو یہ خط موجود ہے ایک لڑکے کے باپ نے شکایت لکھی ہے کہ ہم نے لڑکے کو انگریزی پڑھنے کے لیے بھیجا ہے یا نماز پڑھنے کے لیے نماز ایسی مشقت کی چیز ہے۔

ایک زمانہ میں کان پور اور اس کے نواح میں نماز کا اس قدر چرچا پھیلا تھا کہ مسجدیں تنگ ہوگئیں لوگ سڑکوں پر نماز پڑھتے تھے اسی زمانہ میں اُناؤ سے ایک صاحب نے اپنے کسی دوست کو لکھا کہ یہاں نماز کا ایسا چرچا پھیلا ہے جیسے وباء یہ لفظ ظاہر کرتا ہے کہ نماز سے لوگوں کو کس قدر وحشت ہے غرض اس میں تعجب ہے کہ اٹھو بیٹھو اتنی دیر تک نہ کھاؤ نہ پیو نہ ہنسو نہ بولو نہ اِدھر اُدھر دیکھو اس مشقت سے گھبراتے ہیں۔

خلقی موٹاپا مذموم نہیں

ایک صاحب موٹے بہت تھے وہ اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ اٹھنے بیٹھنے میں تکلف ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ موت کا مراقبہ کروائے موت کی یاد دبلا کردیتی ہے واللہ اسی موٹے پن کی نسبت حدیث میں ہے ان اللّٰہ لا یحبّ الحبر السّمین (۴) یعنی اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو پسند نہیں کرتا موٹے آدمی اس سے متوحش نہ ہوں کیونکہ موٹاپا جو خلقی ہو وہ برا نہیں کیونکہ اس میں اختیار کو دخل نہیں مُراد وہ موٹاپا ہے جو

(۱) ایک بات مشترک ہے (۲) کچھ نقصان نہیں (۳) صبح صبح (۴) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح باب صلاۃ اللیل جز ۴ صفحہ ۳۰۶۔

خوش عیشی اور آرام طلبی اور بے فکری سے پیدا ہوا ہو کہ پڑے ہوئے لوٹ مار رہے ہیں نماز تک کے لیے نہیں اٹھتے یہ موٹاپا اختیاری ہے اور یہ جب ہی پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کو کچھ فکر نہ ہو اور مشقت نہ کرنا پڑے اور بے فکر ہونا اور آرام سے پڑا رہنا مسلمان کی شان سے نہایت بعید ہے کیونکہ مثلاً ہر شخص سے کچھ نہ کچھ گناہ ہو ہی جاتے ہیں پھر جو شخص آخرت پر یقین رکھتا ہے ان گناہوں کی سزا اس کے پیش نظر کیسے نہ ہوگی اور سزا ایسی ہے کہ اس کا تصور بھی ہو تو خلقی موٹاپے کو بھی ذبول(۱) ہونے لگے نیز آرام سے مسلمان کیسے پڑا رہ سکتا ہے دن میں نماز اس کو پانچ مرتبہ پڑھنی ہے وضو کرنا ہے صبح کو نیند چھوڑ کر اٹھنا ہے سال میں ایک مہینے کے روزے رکھنے ہیں جن میں موٹاپا باقی رہ ہی نہیں سکتا اور حج کا بھی سفر کرنا ہوتا ہے اس میں ہر قسم کی مشقت ہے مسلمان کو تو زیادہ موٹا ہونا مشکل ہی ہے تو یہ عذر کس قدر لغو ہے کہ موٹاپے کے مارے نماز پڑھی نہیں جاتی ایسے موٹے ہی کیوں ہوئے، حضرت یہ سب روٹیاں ملنے اور بے فکری کی باتیں ہیں فکر میں آدمی موٹا ہو ہی نہیں سکتا آزمانے کے طور پر طبیب کسی سے کہہ دے کہ تم دو مہینہ میں مرجاؤ گے اور طبیب بھی معمولی ہو کوئی حاذق طبیب نہ ہو تب بھی موٹے سے موٹا آدمی دبلا ہو جائے اور سب بادی تحلیل(۲) ہوجاوے یہ بے فکری ہی ہے جس نے موٹا کر رکھا ہے کہ غم نہیں ہے دنیا کا نہ دین کا انسان کو تو بڑے مرحلے طے کرنے ہیں غم نہ ہونا کیا معنی آخرت کا ذرا سا بھی غم ہو تو موٹاپا تو پاس کو بھی نہ آئے غم ہی نہیں ہے جس سے آپ اس قدر موٹے ہیں کہ نماز پڑھنے میں تکلف ہوتا ہے غرض کوئی کچھ عذر کرتا ہے کسی کو نماز جماعت سے پڑھنے میں یہی عذر ہوتا ہے کہ دھوپ تیز ہے اس عذر کی سنیے۔

غرباء میں بھی مرض حب جاہ ہوتا ہے

ایک سب انسپکٹر صاحب تھے ان کے یہاں کوئی تقریب تھی تو انہوں نے تمام برادری کو جمع کیا ایک شخص برادری میں اندھے اور بہت ہی غریب تھے وہ نہیں آئے وہ دل کے بھی اندھے ہی تھے حسد ان پر غالب ہوا اور شرکت سے انکار کر دیا بعضے آدمیوں

(۱) پیدائشی موٹاپا بھی دور ہونے لگے (۲) سارا بادی کا موٹاپا ختم ہوجائے گا۔

میں یہ ایسی بدخصلت ہوتی ہے کہ ہیں تو دو کوڑی (۱) کی حیثیت کے مگر ایسے موقعوں پر بڑی آن بان دکھاتے ہیں اور ایسے موقعوں کے منتظر رہتے ہیں ویسے تو ان کو کوئی پوچھتا نہیں جب ایسے مجمعوں میں نہیں آتے تو خواہ مخواہ غل مچتا ہے اور شہرت ہوجاتی ہے (گو بدنامی اور برائی کے ساتھ ہو) بس اسی کی اصلیت حب جاہ (۲) وشہرت ہے حب جاہ کچھ بڑے ہی آدمیوں کے ساتھ خاص نہیں ایک فقیر میں بھی ہوسکتی ہے جب وہ نہ آئے تو سب انسپکٹر صاحب جیٹھ بیساکھ کی دھوپ میں دوپہر کے وقت ان کو منانے کو گئے اور مسجد دروازہ پر تھی کبھی مسجد میں آنے کی توفیق نہ ہوئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس کام کی ضرورت آدمی کے ذہن میں ہو اس میں دھوپ مانع نہیں ہوتی اگر دھوپ واقعی مانع (۳) ہے گھر سے نکلنے کو تو اس میں مانع کیوں نہ ہوئی یہ سب عذر بارد (۴) ہیں اور حیلے ہیں دنیا کے کاموں میں بھی یہ حیلے چل جاویں تو جانیں اس کا کسی کے پاس کیا جواب ہے دین کے لیے ذرا سی بھی مشقت کسی سے نہیں اٹھتی۔

حظ اور کیفیت مطلوب نہیں

بعض لوگ اعمال سے اس وجہ سے قاصر ہیں کہ دو چار دن مثلاً نماز پڑھی یا ذکر کیا اور کوئی حظ (۵) اور کیفیت نہ پیدا ہوئی تو کہتے ہیں ہماری کیا نماز ہے نماز جیسی چاہئے ویسی ہم سے ہو نہیں سکتی (اور اس کی دلیل یہی ہے کہ کوئی کیفیت نہ پیدا ہوئی اگر نماز کچھ ہوتی تو کیفیت پیدا ہوتی) پھر ناحق مشقت اٹھانا ہے۔ میں کہتا ہوں اول تو حظ اور کیفیت کوئی چیز نہیں نہ نماز سے یہ مقصود ہے اور اگر وہ کوئی چیز ہے بھی تو وہ پیدا ہوگی نماز سے تو ضرور نماز کے بعد ہی ہوگی سو ابھی نماز کتنے دن پڑھی ہے جو اس کا انتظار ہونے لگا یہ عجیب بات ہے کہ حظ تو پیدا ہوگا نماز سے اور تمنا کی جاتی ہے اس کی نماز سے پہلے کہ حظ ہو تو نماز پڑھیں حظ موقوف ہے نماز پر اور انہوں نے نماز کو موقوف رکھا ہے حظ پر یہ تو دَور ہے جو محال ہے لوگ انہی خرافات میں رہتے ہیں اور ساری عمر بے کار چلی جاتی ہے۔

اعمال ظاہرہ میں مشقت ہے

غرض ایسے ہی حیلے بہانے چھانٹ رکھے ہیں وجہ یہی ہے کہ اعمال ظاہرہ میں

(۱) معمولی آدمی (۲) اقتدار کی خواہش (۳) رکاوٹ (۴) فضول عذر ہیں (۵) مزہ نہ آیا

مشقت ہے نماز جو اعمال ظاہرہ میں سب سے ہلکی چیز ہے اس کی بھی مشقت گوارا نہیں کی جاتی اسی واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى ٱلْخَٰشِعِينَ (۱) یعنی نماز ی بھاری ہے مگر ان پر جن کے دل میں خوف ہے اور جن کو خدا کے سامنے جانے کا خیال ہے۔

جب نماز کی یہ حالت ہے تو روزہ کا تو کیا پوچھنا ہے وہ تو جس قدر بھی بھاری ہو تعجب نہیں (عمل ظاہری ہے نا) اس میں تو کھانا پینا بھی بند کیا جاتا ہے جو مدار ہے دنیا کی زندگی کا اور ہر کام کا تو گویا سارے ہی کام بند کئے جاتے ہیں، نماز میں تو صرف ایک قسم کی پابندی ہی تھی اور تھوڑی دیر کے لیے بعض کاموں کی بندش ہو جاتی تھی۔ کانپور کے ایک وکیل صاحب کا قصہ ہے کہ ان سے بعض مصاحبین نے کہا روزہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے حضور سے روزہ کا تحمل ہرگز نہیں ہو سکتا دوسرے روزہ میں وکالت کا کام نہ ہوگا جس کی آمدنی سے سینکڑوں پلتے ہیں ان کو دینے سے جتنے روزے یہ لوگ رکھیں گے ان سب کے روزوں کا ثواب آپ ہی کو مل جاوے گا ویسے تو آپ تیس ہی روزے رکھتے اور اس طرح سینکڑوں روزے ہو جاویں گے۔

سبحان اللہ حیلہ تو نکالا مگر ان کا دل خود ہی اندر سے کہتا ہوگا کہ یہ حیلہ کس قدر کارآمد ہے لالچ اور خوشامد بھی عجیب چیز ہے۔ ایک اور صاحب تھے کانپور میں جنہوں نے کبھی ساری عمر روزہ رکھا ہی نہیں تھا اور ڈرتے تھے کہ روزہ رکھوں گا تو خدا جانے کیا ہو جاوے گا جب کوئی کہتا کہ روزہ رکھا کیجئے تو کہتے اجی صاحب کہیں میرے بس کا ہے روزہ اگر ایک دن بھی روزہ رکھوں گا تو دم ہی نکل جاوے گا میں تو معذور ہوں رکھ ہی نہیں سکتا کیا کیا جاوے۔

ایک مشفق ناصح بھی مل گئے اور کہا کہ آپ ایک دن امتحان کے لیے رکھ کر دیکھیں اگر بالفرض ایسی حالت ہونے لگے تو اسی وقت توڑ دیجئے گا چنانچہ انہوں نے کہنے سننے سے روزہ رکھا اور خدا خدا کر کے شام تک ختم کر ہی دیا اور خیریت رہی دم نہیں نکلا اگلے دن انہوں نے کہا آج اور رکھئے وہ بھی رکھا اور اگلے دن بھی رکھوا دیا پہلا روزہ تو کچھ مشکل بھی معلوم ہوا دوسرا اس سے کم مشکل ہوا اور تیسرے میں تو عادت پڑ گئی کہنے لگے میاں یہ تو کچھ بھی مشکل نہیں ڈر ہی ڈر تھا بس روزہ کے پابند ہو گئے۔

(۱) البقرہ:۴۵۔

نفس پرستی اور شہوت پرستی

حضرت جملہ اعمال میں یہی حالت ہے کہ قبل از مرگ واویلا دور سے دور ہی نفس کی دھمکی میں آجاتے ہیں احتمالات نکال نکال کر ڈرا دیتا ہے چاہئے کہ ایسے احتمالات کی وجہ سے وہ شخص جس نے کبھی پلاؤ نہ کھایا ہو پلاؤ بھی نہ کھائے کیونکہ نئی چیز ہے خدا جانے گلے میں اٹک جاوے اور معدہ ہضم کرے نہ کرے مگر ہم نے پلاؤ میں یہ شبہات نکالتے کسی کو نہیں دیکھا بہت دفعہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کہیں دعوت ہوئی اور اس میں کوئی کھانا نیا سامنے آیا جو پہلے کبھی نہیں کھایا ہے اس میں کبھی یہ بات دل میں نہیں کھٹکتی کہ خدا جانے کیا ہو لہٰذا اس کو نہ کھانا چاہئے بلکہ اس کھانے کو قصداً کھاتے ہیں کیونکہ کچھ معلومات بڑھیں گیں اور ایک نئی لذت حاصل ہوگی اس میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اور نماز میں شبہات ہوتے ہیں بس یہ بات ہے کہ مشقت سے گھبراتا ہے نفس اور اس سے بچنے کے لیے ایسی ایسی سجھاتا ہے اور چاہتا ہے کہ تمام عمر نفس پرستی اور شہوت پرستی میں گزر جاوے اور جب نماز سے گھبراتا ہے تو روزہ کے پاس تو کیوں ہی آنے لگا۔

حج نہ کرنے کے حیلے

علیٰ ہذا حج میں بھی یہی حالت ہے کہ سینکڑوں حیلے کھڑے ہوجاتے ہیں کبھی فرصت نہیں ہے کہ کبھی رستہ کا امن نہیں ہے کبھی صحت اچھی نہیں ہے اور فرصت کا ہے سے نہیں ہے تقریبات اور لایعنی رسوم سے جب روپیہ خدا نے دیا اور ہاتھ چلتا ہوا ہے تو کہتے ہیں بیٹے بیٹی کی شادی کردیں تو حج کو چلیں شادی میں سب روپیہ خرچ کر بیٹھے اب اتنا ہے ہی نہیں جس سے حج کریں لہٰذا اور کچھ دنوں کے لیے ملتوی ہوا جب تک کہ روپیہ پھر جمع ہو پھر جب تک روپیہ جمع ہوا اپنے آپ بڈھے ہوگئے اور اتنی قوت نہ رہی کہ اس سفر کی صعوبات (۱) کی برداشت ہوسکے نتیجہ یہ کہ ایک فرض خدا کا اور ایک رکن اسلام رہ گیا سارے کام تو ہوگئے مگر اس کا ہی موقع کبھی نہ ہوا اور حیلے حوالوں سے نفس نے اپنا کام پورا کر ہی لیا واللہ اگر ڈاکٹر کسی کے لیے تجویز کردے کہ چھ مہینہ شملہ رہو

(۱) مشقتیں۔

ورنہ مرجاؤ گے تو سب کاموں کو اور بیاہ شادی کو اور گھر بار کو آگ لگا کر اس کا انتظام کریں اور شملہ بمقدار جہل ہوجاوے اس صورت میں اگر کوئی کہے بھی کہ فلاں فلاں کام باقی ہیں جائیداد کا انتظام بگڑ جاوے گا اولاد جوان ہے شادی بیاہ ہونا چاہئے اس وقت جانے میں بڑے بڑے حرج ہوں گے تو جواب ملے گا کہ جان سے زیادہ کیا ہے جان رہے گی تو سب کچھ ہوگا بیٹا، بیٹی اور جائیداد اور سب کچھ سکھ میں اچھے لگتے ہیں جب ہم ہی نہ ہوں گے تو ان کا لطف کون اٹھاوے گا ہاں صاحب جان ایسی ہی چیز ہے اور ایمان کا کیا ہے اس کی تو کچھ بھی قیمت نہیں ہمارے نزدیک واقعی اس کی کچھ قیمت نہیں کیونکہ بے مشقت اور سستا مل گیا ہے۔

ہر کہ اوارزاں خرد ارزاں دھد گوھرے طفلے بقرص ناں دھد(۱)

مگر میں کہتا ہوں کہ ارزاں تو جان بھی ہے آپ نے کونسی قیمت اس میں لگائی ہے بے قیمت ہی تو آئی ہے کہ آج کل فلسفی بہت ہیں ذرا اس کی وجہ تو بتائیں کہ جان کا تو اتنا خیال کیا جاتا ہے اور ایمان کا نہیں کیا جاتا، اس بات میں تو دونوں برابر ہیں کہ ہم کو ارزاں ملے ہیں اور کوئی کوڑی(۲) ہم کو نہیں خرچ کرنا پڑی پھر اس پر خدا تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ جان ہم سے نہیں مانگی ایمان کے اعمال وہ رکھے ہیں جن میں عام اصل یہ ہے **لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا**(۳) بلکہ تکلیف فوق الوسع(۴) تو کیا دین میں حرج بھی نہیں رکھا **وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ**(۵) اس سے اور زیادہ متاثر ہو اور ایسے رحیم پر تو فدا ہوجاؤ نہ یہ کہ حیلے بہانے کرو بھلا اگر زیادہ نہیں تو دین کے لیے دنیا کی برابر تو مشقت اٹھالو حالانکہ دین میں ایسا ہے بھی نہیں دین کے جس کام کو اٹھا کر دیکھ لو اس میں اتنی مشقت نہ ہوگی جتنی دنیا کے کام میں ہوگی بلکہ اس کی عشر عشیر(۶) بھی نہ ہوگی ہاں کچھ مشقت ضرور ہے تو کچھ مشقت سے تو کوئی بھی کام حتیٰ کہ کھانا پینا بھی خالی نہیں ہوسکتا۔

---

(۱) ''جو شخص ارزاں خریدتا ہے ارزاں ہی دیتا ہے طفل ایک روٹی کے بدلے گوہر دے دیتا ہے'' (۲) پیسے سے بھی چھوٹا سکہ (۳) ''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے'' البقرہ:۲۸۶ (۴) طاقت سے زیادہ تکلیف تو کیا (۵) ''اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کوئی حرج ہی نہیں رکھا'' الحج:۷۸ (۶) اس کا دسواں حصہ بھی نہ ہوگی۔

مشقت سے بچنے کے بہانے

غرض مشقت سے بچنے کے لیے اعمال میں طرح طرح کے بہانے نکالے جاتے ہیں زکوٰۃ کی نوبت آوے تو کہتے ہیں ہم مقروض ہیں ہمارے پاس رکھا کیا ہے جس کی زکوٰۃ دیں صاحبو! شرعی قانون مکمل ہے اس میں کوئی صورت نظر انداز نہیں ہوئی ہے مقروض کے واسطے زکوٰۃ کا قانون یہ ہے کہ رقم قرض کی منہا کر کے باقی کی زکوٰۃ دو رقم قرض کی زکوٰۃ شریعت خود نہیں مانگتی اور خدا جانے زکوٰۃ سے کیوں جان چرائی جاتی ہے زکوٰۃ کی تو مقدار اس قدر تھوڑی ہے کہ برائے نام ہی کا مرتبہ ہے چالیسواں حصہ بھی کوئی چیز ہے اور یاد رکھو کہ اللہ میاں اپنا حساب پورا کر ہی لیتے ہیں کوئی بیماری بھیج دی یا کوئی مقدمہ لگا دیا، ایک دفعہ ڈاکٹر کو بلانا پڑا سولہ روپے فیس میں نکل گئے، زکوٰۃ میں اتنے شاید خرچ بھی نہ ہوتے ایسی ہی نماز کی مشقت سے بدن کو بچایا دھوپ کی سہار نہ ہوئی حق تعالیٰ نے کوئی مقدمہ پیچھے لگا دیا کہ دورہ میں مارے مارے پھرتے ہیں وہاں دھوپ بھی ہے اور راستہ کا گرد و غبار بھی ہے روپیہ بھی خرچ ہو رہا ہے تیری میری خوشامد بھی کرنی پڑتی ہے راستہ میں چوروں اور ڈاکوؤں کا بھی خوف ہے کہیں ڈاکوؤں نے پیٹ دیا تو خوب اس نماز کی مشقت کا بدلہ ہو گیا۔

صاحبو! اس طرح حساب پورا ہونا اچھا ہے یا اپنے اختیار اور خوشی سے طاعت کا بقدر مطلوب ادا کر دینا اگر کوئی کہے کہ کیا یہ باتیں بیماری مقدمہ وغیرہ نمازیوں کو پیش نہیں آتیں ہم تو دیکھتے ہیں کہ نہ بیماری میں کوئی تخصیص نمازی اور غیر نمازی کی ہے نہ مقدمہ میں نہ کسی اور مصیبت میں۔ میں کہتا ہوں مصائب پیش بیشک آتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی مگر فرق ہے دونوں میں ان کے واسطے مصائب سزا ہیں اور ان کے لیے باعث رفعت مراتب اور موجب قرب ہیں اس پر شاید کہا جاوے کہ یہ تو دل کو سمجھا لینے کی بات ہے اور من گھڑت ہے اس کا عکس بھی تو ممکن ہے جب صورۃً دونوں جگہ یکساں ہیں تو وہ بھی اپنا دل اس طرح خوش کر سکتے ہیں کہ مصیبت جو آئی ہے تو کچھ برا نہیں ہمارے درجے بلند ہوں گے جیسے نمازیوں نے اسی طرح دل کو سمجھا لیا تھا۔

مصیبت کی حقیقت

میں کہتا ہوں واقعیت کسی چیز کی من سمجھوتہ (۱) کرنے سے نہیں بدلتی دعویٰ دونوں فریق اس کا کر سکتے ہیں کہ مصیبت ہمارے لیے رحمت ہے لیکن کسی علامت سے امر واقعی کا پتہ چل جائے تو بات طے ہوسکتی ہے کہ حق کس کی طرف ہے وہ علامت یہ ہے کہ خاصہ ہے کہ مطیع پر جب مصیبت آتی ہے تو اس کو پریشانی نہیں ہوتی اور رحمت کی حقیقت یہی ہے اور مصیبت کی حقیقت پریشانی ہے اس کو کان میں رکھو اور دونوں منظر یکھ لو ایک ہی واقعہ جس کو مصیبت کہا جاوے نمازی پر یعنی مطیع پر آوے تو اس کا اس کے قلب پر کیا اثر ہوتا ہے اور وہی واقعہ عاصی پر آوے تو کیا ہوتا ہے زمین آسمان کا فرق ملے گا دونوں میں اور ذرا سا غور کرنے سے نزاع رفع ہوجاوے گا عاصی (۲) کا دل ٹوٹ جاتا ہے مصیبت میں اور مطیع کو ڈھارس رہتی ہے کیونکہ اس کے دل کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہے اور عاصی کے دل کو یہ تعلق خدا حاصل نہیں تعلق خدا مقوی قلب ہے اور خدا سے تعلق میں یہ اثر کیوں نہ ہو ایک کلکٹر سے جس کو تعلق ہوتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا پھر جس کو تعلق خدا سے ہو وہ کیسے ڈرے گا اور اس کا دل کیوں ٹوٹے گا اور عاصی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کا کوئی سہارا نہیں ہوتا ڈرتا ڈرتا رہتا ہے۔

عاصی اور مطیع میں فرق

یہی تو فرق ہے پولیس میں اور ڈاکوؤں میں مقابلہ کے وقت میدان میں دونوں موجود ہیں اور مارنے مرنے میں دونوں شریک ہیں ظاہری نظر سے دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ دونوں فریق ایک مصیبت میں گرفتار ہیں یہ بھی مر رہے ہیں اور وہ بھی مر رہے ہیں تو کسی کو حق پر اور کسی کو ناحق پر کیسے کہیں لیکن ذرا غور کیجئے تو صاف معلوم ہوجاتا ہے پولیس مر ضرور رہی ہے مگر دل ان کے مضبوط ہیں اور ان کی ڈھارس بندھی ہوئی ہے اور ڈاکو ہمت پولیس سے بھی زیادہ کر رہے ہیں مگر دل اندر سے ٹوٹے ہوئے ہیں اور پاؤں نہیں جمتے اور موقع دیکھتے ہیں کہ آنکھ بچے تو بھاگ جاویں یہ اثر اسی کا ہے کہ پولیس مطیع

(۱) دل کو سمجھانے سے (۲) گناہگار۔

ہے اور اس کو حاکم سے تعلق ہے اور ڈاکو عاصی ہے اس کے دل کو کسی کا سہارا نہیں۔

اس مثال سے عاصی اور مطیع کی حالتوں کا فرق بہت وضوح کے ساتھ معلوم ہوسکتا ہے نمازی اور مطیع پر جب مصیبت آتی ہے تو وہ صبر و سکون کے ساتھ رہتا ہے اور کوئی بیہودہ کلمہ تک اس کے منہ سے نہیں نکلتا اور عاصی پر جب مصیبت آتی ہے تو پوری قیامت ہوتی ہے چیخ پکار رونا پیٹنا مچ جاتا ہے زبان سے بیہودہ کلمات بکتا ہے اور دل میں شکایت ہوتی ہے یہ ہے مصیبت جس کو مصیبت کہنا چاہئے یہ کھلی ہوئی علامت ہے اس بات کی کہ تعلق مع اللہ باقی نہیں اور مطیع کا تعلق باقی ہے گو جسمانی تکلیف ہے اور باقتضاء طبعی اس کا احساس کرتا ہے اور رنج پاتا ہے مگر دل اندر سے تازہ ہے۔

تعلق مع اللہ کی برکت

ایک پادری نے لکھا ہے کہ مسلمان اپنے خدا سے شرمندہ نہیں ہیں اس واسطے شگفتہ رہتے ہیں عاصی اور مطیع کی حالت میں ضرور فرق ہوتا ہے بلکہ ادنیٰ مسلمان کی حالت میں بھی کافر سے فرق ہوتا ہے کیونکہ تعلق مع اللہ کچھ نہ کچھ ہر مسلمان کو حاصل ہے جس کی وجہ سے اس کی حالت کو اس شخص کی حالت سے ضرور فرق ہوتا ہے جس کو بالکل تعلق نہیں یعنی کافر آپ کو نسبت حق تعالیٰ سے ضرور حاصل ہے گو آپ کو خبر نہیں۔

یک سبد پرناں ترا بر فرق سر — تو ہمی جوئی لب ناں در بدر
تا بزا نو غرقہ ہستی اندر آب — وز عطش وز جوع گشتستی خراب (۱)

ہماری وہ حالت ہے کہ ساری دولتیں حاصل ہیں مگر عادت ہوگئی ہے بھیک مانگنے کی ان کی طرف توجہ نہیں اور اِدھر اُدھر ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ غیروں کی تقلید کرتے ہیں عقائد میں خیالات میں معاشرت میں صاحبو! تمہارے پاس تو اتنی دولتیں ہیں کہ دوسرے یہیں سے لے گئے ہیں افسوس ہے کہ ہم اسے متمتع (۲) نہیں ہوتے اور ان سب دولتوں کی اصل تعلق مع اللہ ہے اگر ہم اس سے کام لیں تو کبھی پریشانی نہ ہو۔ اللہ والا کبھی بھی پریشان نہیں ہوتا دیکھئے سب سے بڑھ کر حادثہ موت کا ہے اور دیگر مصائب جو مخوف عنہ (جن سے ڈرا جاتا ہے)

(۱) ''ایک ٹوکرا روٹیوں کا تیرے سر پر رکھا ہے اور تو ایک روٹی کے ٹکڑے کے لیے در بدر مارا پھرتا ہے تو زانو تک پانی میں کھڑا ہے اور بھوک اور پیاس سے خراب ہوتا ہے'' (۲) فائدہ نہیں اٹھا سکے۔

ہیں تو اس وجہ سے ہیں کہ مقدمہ موت ہیں مگر اہل اللہ کی حالت خود موت کے متعلق یہ ہے کہ بجائے پریشانی کے الٹی مسرت ہوتی ہے انہوں نے اس کو بھی ایک کھیل سمجھ رکھا ہے جس کے نام سے دنیا بھاگتی پھرتی ہے ایک صاحب موت کی آرزو میں کہتے ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم   راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بردم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے   تا در میکدہ شادان و غزلخواں بردم (۱)

غرض جب ان کے نزدیک موت ہی کوئی چیز نہیں تو اور مصائب تو کیا چیز ہیں یہ ثمرات ہیں تعلق مع اللہ کے کہ اس کے ہوتے ہوئے مصیبت کا نام ہی نہیں رہتا۔

اہل اللہ کا کامل توکل

میرے ابتدائی کتابوں کے ایک استاد تھے ان کا قصہ ہے کہ طالب علم ان کے پاس مثنوی پڑھنے گئے انہوں نے پوچھا کھانے کا کیا انتظام کیا ہے کہا کھانے کی کیا فکر جس نے جان دی وہی روٹی بھی دے گا نہ دے گا تو اپنی جان لے لے گا اور کیا ہوگا استاد نے کہا تو مثنوی ضرور پڑھ لے گا۔

ابھی مثنوی شروع بھی نہیں ہوئی عمل پہلے شروع ہو گیا ان کو کھانے کی مطلق فکر نہ تھی ہمہ تن متوجہ ہو کر مثنوی پڑھی ہر چیز کی کنجیاں خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں پھر کچھ طبعی بات ہے کہ مستغنی (۲) کی طرف لوگوں کو میلان ہوتا ہے اور طامع (۳) سے نفرت ہوتی ہے ان کا یہ جملہ سن کر لوگوں کو میلان پیدا ہوا ایک شخص آیا کہ مولانا آج آپ کی دعوت میرے یہاں ہے ایک دن کا انتظام تو ہوا اگلے دن ایک اور جگہ دعوت ہوئی ایک دن بھی تکلیف نہیں ہوئی اور اس مست اور خدا کے شیر کو اس طرف التفات بھی نہیں ہوا اپنے کام سے کام مثنوی پڑھنا اور وقت پر پکی پکائی مل جانا خدا نے مخلوق کو رام کر دیا بھوک سے زیادہ کیا مصیبت ہو سکتی ہے تمام دنیا پیٹ ہی کے لیے ماری پھرتی ہے مگر اہل اللہ کے نزدیک یہ بھی کچھ نہیں کس اطمینان سے فرماتے ہیں کھانے کا کیا فکر، اسی طرح ایک شخص

(۱) ''وہ دن مبارک ہے جس دن ہم اس دنیائے فانی سے کوچ کریں راحت جاں طلب کریں اور محبوب حقیقی کے لیے جائیں میں نے نذر کی ہے کہ جس دن یہ غم تمام ہو جائے یعنی موت کا وقت آئے تو محبوب کے دربار تک خوش وخرم اور شعر پڑھتا ہوا جاؤں (۲) بے نیاز (۳) لالچی۔

قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ کے یہاں پڑھنے کو گئے کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا متفرقاً اِدھر اُدھر سے مل جاتا تھا، اتفاق سے محلّہ میں ایک موت ہوگئی اور وہاں دستور تھا میت کے لیے چالیس دن کھانا ایک محتاج کو دینے کا وہ کھانا ان کے واسطے مقرر ہوا ایک چلہ کا سامان ہوگیا چلہ کے اندر ہی ایک اور ٹہل (۱) گئے، ایک چلہ کا کھانا اور مقرر ہوا اب یہ بے فکری سے پڑھنے لگے ابھی یہ چلہ بھی پورا نہ ہوا تھا کہ ایک اور مر گئے قاری صاحب نے کہا اس کا کھانا مقرر کردو ورنہ یہ اسی طرح تمام محلّہ کو کھا جاوے گا لوگوں نے ڈر کر کھانا مقرر کردیا اور خدا کی قدرت کہ اس کے بعد کوئی موت نہیں ہوئی خدا سے کون جیتے جب محتاج کے دینے میں کمی کی جاتی ہے تو اس کا حساب یوں پورا کر لیتے ہیں یہ ان کے حالات ہیں جو خدا کا نام لینے والے ہیں پیٹ کی مار سے وہ نہیں گھبراتے موت سے وہ نہیں ڈرتے پھر اور کسی مصیبت سے ان کو کیا پریشانی ہوگی اللہ والے بن جاؤ پھر ناکامی میں بھی کامیابیوں سے لطف زیادہ آوے گا اللہ والے کے لیے تو ہر حالت خوشی ہی خوشی کی ہے، رنج اور پریشانی کا اس کے پاس کام بھی نہیں اس کو تو موت میں بھی خوشی ہے اسی کو عارف شیرازی کہتے ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم　　　راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بردم (۲)

جب موت ان کو پریشان نہیں کرتی تو اور کوئی مشقت کیا پریشان کرے گی۔

اہل طاعت اور اہل معصیت کی مصیبت میں فرق

یہ فرق اہل طاعت اور اہل معصیت کی مصیبت میں کہ واقعات دونوں پر ہوتے ہیں مگر پھر بڑا فرق ہے اول تو اہل طاعت پر واقعات کم ہوتے ہیں اس کا امتحان یہ ہے کہ واقعات شمار کر لیجئے ایک اہل طاعت کو لیجئے اور ایک اہل معصیت کو اور دونوں کی سوانح لکھئے اس میں واقعات کی شمار کیجئے اہل طاعت پر واقعات کی شمار ضرور کم نکلے گی غرض مطیع (۳) پر مصائب کم آتے ہیں اور جو کچھ آتے بھی ہیں تو ان میں اور غیر اہل اطاعت کے مصائب میں فرق ہوتا ہے ان کی صرف صورت مصیبت کی ہوتی ہے اور حقیقت میں رحمت ہوتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ ان کے قلب کو پریشانی نہیں ہوتی

(۱) مرنا (۲) ”یعنی وہ دن مبارک ہے جس روز ہم اس دنیا فانی سے کوچ کریں، راحت جان طلب کریں اور محبوب حقیقی کے لیے جائیں“ (۳) اللہ کے احکام کی پیروی کرنے والے پر۔

جس کو مصیبت کہنا چاہئے وہ عصیان (۱) ہی سے آتی ہے اور یہ مصائب اسی وقت بھیجے جاتے ہیں جب کہ طاعات سے اور حقوق الٰہی سے جان چرائی جاتی ہے جان کو یا مال کو جب خدا سے بچا کر رکھا جاتا ہے تو اس وقت اس طریق سے اس کا حساب پورا کرلیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ سے بخل کیا حق تعالیٰ نے ایک مقدمہ سر کر دیا اس میں سب اگلی پچھلی جمع نکل گئی۔

اعمال ظاہرہ میں کچھ مشقت ضرور ہے

روزہ سے یا حج سے جان چرائی تو ایک ایسی بیماری لگادی کہ سب جسم تحلیل ہوگیا اعمال ظاہری میں کچھ نہ کچھ مشقت ہے ہی مشقت سے جان چرائی جاتی ہے امراء میں اسی وجہ سے اعمال ظاہری کا اہتمام کم ہے بس دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ میاں دل پاک چاہئے اگر ظاہری طاعات میں کمی بھی رہی تو خدا معاف کرنے والا ہے بڑا گناہ تو دل کا پاپ ہے۔ حضرت یہ سب پیٹ بھرے کی باتیں ہیں یہ باتیں اسی وقت سوجھتی ہیں جب کہ پیٹ اندازہ سے زیادہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔

ہمارے یہاں ایک طالب علم آیا دیہاتی آدمی تھا مگر فارغ البال تھا اس نے کچھ پڑھنا شروع کیا اور اس میں آثار صلاحیت پیدا ہوگئے اور بہت نیک ہوگیا اس نے اعتکاف کیا اور ایک دن وہ دعاء مانگ رہا تھا تو یہ خبر سن کر اس کے ایک عزیز صاحب فرماتے ہیں ابے سوھرے کیا دعاء مانگے ہے تجھے کس چیز کی کمی ہے روٹی تیرے پاس کپڑا تیرے پاس مکان تیرے پاس یہ بھی کچھ لت ہے کہ مانگے جاؤ کس قدر بیہودہ کلمہ ہے یہ مستی پیٹ بھرنے سے پیدا ہوئی ہے کہ اللہ میاں سے دُعاء مانگنے کی بھی ضرورت نہیں رہی۔

اہل بطن

یہاں ایک عمل ظاہری جو چھوڑا گیا جس کو دعاء کہتے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ باطن ان کا درست ہے اس واسطے ظاہر کی چنداں ضرورت نہیں یاد رکھئے کہ یہ مستی اہل باطن کی نہیں بلکہ اہل بطن (۲) کی ہے ابھی کوئی آفت ایسی آجاوے کہ پیٹ تھوڑا خالی ہوجاوے تو پھر ایسے کلمات منہ سے نہ نکلیں دیکھا ہوگا کہ اہل

(۱) گناہوں سے (۲) پیٹ کے پجاریوں کی ہے۔

کار لوگ رعایا پر ظلم وتعدی کرتے ہیں اور نماز روزہ کے پاس نہیں جاتے مگر جب کسی مقدمہ میں پھنس گئے تو اس وقت نماز بھی ہے اور روزہ بھی ہے بلکہ کھٹا کھٹ تسبیح بھی چلتی رہتی ہے اسی کو کسی نے کہا ہے۔

اہلکاراں بوقت معزولی شبلی وقت و بایزید شوند
بازچوں می رسند برسرکار شمر ذی الجوشن ویزید شوند(۱)

پیٹ بھرے میں حق تعالیٰ کی یاد مشکل ہے خدا کی یاد تو خالی پیٹ میں خوب ہوتی ہے بانسری جب اندر سے خالی ہو تب ہی آواز دیتی ہے اور جو نے(۲) اس کے اندر سے ٹھوس ہو تو کہاں بج سکتی ہے اور یوں دعاء مانگنے والے پیٹ بھرے میں بھی دعا مانگتے ہیں مگر جو دردناک آوازیں دعاء کی خلو میں پیدا ہوتی ہے وہ امتلاء(۳) میں کہاں ہوتی ہیں بزرگوں نے تو خلوئے بطن(۴) کا اہتمام قصداً اختیار سے کیا ہے اور زیادہ پیٹ بھرنے کو خاص طور سے منع کیا ہے شیخ سعدی کہتے ہیں۔

تہی از حکمتی بعلت آں کہ پری از طعام تابینی
اندروں از طعام خالی دار تادر و نور معرفت بینی(۵)

حضرات انبیاء علیہم السلام کا مجاہدہ

حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ السلام ایام قحط میں بھوکے رہتے تاکہ بھوک کی قدر رہے اور بھوکوں پر رحم آوے انبیاء علیہم السلام نے کبھی تنعم(۶) اختیار نہیں کیا بلکہ مشقت کو پسند کیا تاکہ اس کا احساس رہے اور اُمت پر رحم رہے اور تنگ گیری نہ پیدا ہو وہ حضرات قصداً بھوکے رہتے اور ہم لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ بھوکے رہنا تو دور ہے بھوک نہیں ہے جب بھی کھاتے ہیں اور خصوصیت سے امراء میں یہ مرض ضرور ہوتا ہے اور اس میں زیادہ تر عنایت خوشامدی لوگوں کی ہوتی ہے کہ صبح کو دربار میں آئے اور خواہ مخواہ بھی

(۱) ''اہلکار برخاست ہوتے وقت شبلی اور بایزید بسطامی بن جاتے ہیں اور پھر جب بحال ہوجاتے ہیں تو شمر لعین اور یزید بن جاتے ہیں'' (۲) بانسری کے اندر کا حصہ (۳) خالی پیٹ جیسی دعاء ہوتی ہے پیٹ بھرے کی ایسی نہیں ہوتی (۴) کم کھانے کا اہتمام (۵) ''دانائی اور معرفت سے اس سبب سے تم خالی ہو کہ کھانے سے ناک تک بھرے ہوئے ہو پیٹ کو کھانے سے خالی رکھو تاکہ اس میں نور معرفت دیکھ سکو'' (۶) عیش وعشرت

وفاداری اور جاں نثاری جتانے کے لیے کہتے ہیں کہ نصیب اعداء حضور کا مزاج کیسا ہے آج چہرہ اداس معلوم ہوتا ہے کہا ہاں رات کچھ کھانا ہضم نہیں ہوا (ہضم کہاں سے ہوا ناڑی کی سی بندوق بھری تھی اور نقل وحرکت اور ریاضت ہے ہی نہیں سوائے لوٹ مارنے کے کچھ شغل نہیں)

مصاحب صاحب بولے حضور کھاتے ہی کیا ہیں یہ اداسی سوءِ ہضمی (۱) کی نہیں بلکہ نہ کھانے کا ضعف ہے برائے خدا کچھ کھایا کیجئے جہاں دو چار آدمیوں نے متفق ہوکر ایسا کہا تو خواہ مخواہ اثر ہوتا ہے اور زیادہ کھانے کی تدابیر کی جاتی ہیں کھانے قسم قسم کے پکوائے جاتے ہیں کیونکہ انواع کثیرہ میں سے قلیل قلیل بھی لیں گے تو کافی مقدار ہوجاوے گی اور دن بھر میں کئی بار بدفعات (۲) کھلاتے ہیں اس وقت ناشتہ ہے اس وقت کھانا ہے تیسرے وقت فواکہ (۳) ہیں غرض منہ چلتا رہے خواہ پیٹ بھی چلنے لگے (۴) وجہ یہ ہے کہ ان خوشامدیوں کا پیٹ اس حیلہ سے چلتا ہے ان کا پیٹ چلے یا مریں یا کچھ بھی ہو ان کی بلا سے یہ تدبیریں ان کے کھانے کی ہیں کیونکہ جب امیر صاحب کھاویں گے تو مصاحبین کو بھی ملے ہی گا بس اصل غرض اپنا پیٹ ہے (امراء کے حواشی کھاتے کھاتے مواشی بن جاتے ہیں)۔

حکایت نیبو نچوڑ

جیسے ایک نیبو نچوڑ کا قصہ ہے کہ ایک شخص سرائے میں جاتے اور تاڑ لیتے کہ مسافروں میں سے آج موٹی چڑیا کون ہے جب کھانا لایا گیا تو آپ بھی پاس بیٹھ گئے ایسے موقع پر آدمی خواہ مخواہ مجوب ہوتا ہے اور تواضع کرنا ہی پڑتی ہے اگر اس نے جھوٹ موٹ بھی کہا کھانا کھالیجئے تو کہا بسم اللہ حضرت میں تو بے تکلف آدمی ہوں مجھے کیا انکار ہے بس ساتھ بیٹھ کر کھالیا اور اگر اس نے تواضع نہ کی تو جیب میں آپ کی نیبو رہتا تھا جیب سے نکالا اور سالن میں نچوڑ دیا کہ حضرت ذرا اس سے کھانا مزہ دار ہوجاتا ہے اب تو ایسا کون ہے کہ تواضع نہ کرے خواہ مخواہ کہنا پڑا حضرت آپ بھی تو کھائیے بس ان کی غرض حاصل ہوگئی روز مرہ ان کی یہی عادت تھی اور اچھے اچھے کھانے اڑاتے تھے (یہ نسخہ اچھا ہے مگر خدا کے لیے کوئی سیکھ نہ لے) یہ میں نے اس واسطے کہہ دیا کہ ایسا ہوا بھی

(۱) کھانا ہضم ہونے کی نہیں (۲) زبردستی (۳) میوہ جات (۴) چاہے دست آنے لگیں۔

ہے کہ ایک بات کو بیان کیا گیا اور منع کرنے کے لیے زیادتی تحقیر کے لیے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا بعض فاسد المذاق (۱) لوگوں نے بجائے اس کے کہ اس عمل کو چھوڑتے اس پر عمل شروع کر دیا اور تفصیل بیان سے جزیات کا علم ہوگیا اس سے اس پر عمل کرنے میں اور سہولت ہوگئی غرض یہ حالت ہے ان خوشامدی حضرات کی کہ میاں کو بھوک ہو یا نہ ہو کھانے اقسام اقسام کے ان کو پکوانا ضرور ہے اور بار بار تقاضا کر رہے ہیں حضور کچھ کھالیں ضعف ہوجاوے گا برائے نام ہی دستر خوان پر بیٹھ جاویں ورنہ تمام گھر میں کوئی بھی نہ کھاوے گا بس خوان سامنے لاکر رکھ دیا اس میں پلاؤ ہے کباب ہیں بریانی ہے مصاحب صاحب فرماتے ہیں حضور ان چاولوں کو چکھیں آج ایک نیا کاری گر آیا ہے اور خاص طور سے نرم پکوائے گئے ہیں یہ نقصان ہرگز نہیں کر سکتے کبابوں میں آج باورچی نے کمال ہی کر دیا ہے ایسا نمک مصالحہ درست ہے کہ کم ایسے بنتے ہیں اب جبکہ خوان عمدہ عمدہ نعمتوں کا سامنے ہے تو کچھ نہ کچھ کھایا ہی جاے گا کچھ اپنی طبیعت سے کچھ ان کی فرمائش سے کھالیا اور تھوڑا تھوڑا کر کے بھی اچھی خاصی اناڑی کی سی بندوق بھر گئی امتلاء (۲) پہلے سے موجود تھا اب تداخل ہوگیا اور طبیعت زیادہ خراب ہوئی کہتے ہیں کھانا سامنے آگیا کھانا ہی پڑا اور فلاں صاحب نے ایسا محبت سے اصرار کیا کہ انکار نہ ہوسکا۔

شعر گفتن چہ ضرور شعر کہنا کیا ضرور ہے کیا کھانا آپ سے آپ سامنے آگیا ان خوشامدیوں کو ایسا کیوں منہ چڑھایا ہے کہ گو مصلحت کے خلاف ہو مگر کھانا لے ہی آتے ہیں اور محبت بھی ان کی معلوم ہے وہ تو اپنا بھلا کر رہے ہیں آپ کے بھی خواہ نہیں ہیں ان کا کھانا موقوف کر دیجئے پھر دیکھیں یہ کیسے تقاضا اور اصرار کر کے کھلاتے ہیں۔

دور حاضر کے اہل وجد

غرض امراء میں کھانے کا بڑا مرض ہوتا ہے اور پھر بنتے ہیں اہل باطن اہل باطن کی حالت تو یہ ہے کہ بھوک میں بھی نہیں کھاتے اور یہ بے بھوک بھی کھاتے ہیں تو یہ اہل بطن ہوئے یا اہل باطن ان کو پیٹ ہی نے خراب کیا زیادہ کھانے اور خوشی عیشی کی وجہ سے مشقت نہیں ہوسکتی اور اعمال ظاہری میں ہے مشقت، اس واسطے نفس نے یہ ایک

(۱) بد ذوق لوگ (۲) طبیعت پہلے ہی متلا رہی تھی۔

عمدہ تاویل سمجھا دی ہے کہ ظاہر کو ہم اس واسطے اختیار نہیں کرتے کہ باطن اصل ہے اور باطن ہمارا دوست ہے تو ظاہر درست ہوا نہ ہوا چنداں حرج نہیں اس سے ظاہر کی مشقت سے بھی بچ گئے اور اچھے کے اچھے بنے رہے کہ ہم اہل باطن ہیں کچھ بھی نہیں اہل بطن (۱) ہو، یہ غلطی ایسی عام ہوئی ہے کہ امراء میں تو ہے ہی فقراء میں بھی ہے کہ اہل وجد کو بھی دیکھا کہ سماع اڑ رہا ہے اور وجد آرہے ہیں اور ناک تک پیٹ بھر رکھے ہیں۔

محققین فن نے لکھا ہے کہ چار وقت کسی کو بھوکا رکھا جاوے پھر اس کے سامنے سامان سماع پیش کیا جاوے اگر اس وقت بھی بھوک پر سماع کو غلبہ ہو تب یہ مسئلہ اختلافی ہے ورنہ بالاتفاق حرام ہے کسی نے خلاصہ کر دیا ہے اس مسئلہ کا

زندہ دلاں مردہ تناں را رواست زندہ تناں مردہ دلاں را خطاست (۲)

آج کل کے وجد سب پیٹ بھرے کی مستی ہیں ایک ہی وقت کھانے کو نہ ملے تو کچھ بھی نہ رہے۔ (میں سب کو نہیں کہتا ہوں سچے اہل وجد بھی ہیں)

اہل تنعم

تنعم چھوڑیئے اور پیٹ نہ پالئے پھر وجد کیجئے خالی پیٹ میں اور دولت نصیب ہوگی جس کے سامنے آپ ان وجدوں کو بھول جائیں گے مگر یہ بھی میں کہے دیتا ہوں کہ وہ دولت بعد چندے حاصل ہوگی یہ نہ ہوگا کہ آج کام شروع کیا اور آج ہی اس کے حصول کی تمنا ہونے لگی۔ خلاصہ یہ کہ ایسے لوگ یعنی متنعمین (۳) اور امراء اور ان کے مقلدین جو اہل باطن بنے ہیں وہ اہل باطن نہیں ہیں بلکہ بطن (۴) کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں کیونکہ تنعم کو چھوڑنا نہیں چاہتے خوش عیشی کی وجہ سے موٹے ہو گئے ہیں مشقت ان سے ہو نہیں سکتی اعمال ظاہری سے جان چراتے ہیں بس اہل باطن بن گئے ہیں اور دل کو سمجھا لیا ہے کہ باطن یعنی قلب ہمارا درست ہے اس کے سامنے ظاہر چنداں معتد بہ (۵) چیز نہیں ہوا ہوا نہ ہوا نہ ہوا۔

درستی باطن کا خلاصہ

صاحبو! باطن کی درستی کا خلاصہ ایک لفظ میں ہے یعنی محبت الٰہی باطن کی درستی

(۱) پیٹ کے پجاری (۲) ''زندہ دل مردہ تن لوگوں کے لیے جائز ہے اور زندہ تن مردہ دل لوگوں کے لیے گناہ ہے''
(۳) نعمتوں سے مستفید ہونے والے (۴) پیٹ (۵) ظاہر کے درست کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔

کے مدعی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے قلب میں محبت الٰہی موجود ہے اس بے فکری اور موٹاپے پر یہ دعویٰ کس قدر بے محل ہے خدا جانتا ہے کہ محبت تو وہ چیز ہے کہ آدمی کو کانٹا بنادیتی ہے موٹاپا تو بے فکری سے پیدا ہوتا ہے اور محبت میں بے فکری کہاں اہل محبت کی حالت تو یہ ہوتی ہے۔

دما دم شراب الم در کشند　　وگر تلخ بینند دم در کشند (۱)

ہر وقت الم (۲) پاتے ہیں اور ہر وقت تلخ بیند ہوتا ہے گو دیکھنے والے کو معلوم نہ ہو اسی واسطے ایک اہل محبت نے اس کیفیت سے غافل کی نسبت کہا ہے۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کہ دانی کی چیست　　حال شیرانے کہ شمشیر را بر سر خورند (۳)

یہ شمشیر خورند کچھ مبالغہ نہیں ہے واللہ ہر وقت ان پر تلواریں چلتی ہیں اسی کو کہا ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانے دیگر ست (۴)

کشتہ کی اصلیت

کوئی بات تو ہے جس کی وجہ سے کشتہ کہا ہے معنی حقیقی نہ ہوں مجازی ہی ہوں تب بھی کچھ تو اصلیت ہوگی کوئی مصیبت تو ان پر ہے جس کو مبالغہ کشتہ شدن سے تعبیر کرسکیں کیا اس قدر فراغ و تنعم کے ساتھ وہ جمع ہوسکتی ہے اگر وہ موجود ہے تو یہ بے فکری اور تنعم نہیں ہوسکتا اور اگر فراغ و تنعم موجود ہے تو وہ نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ فراغ و تنعم موجود ہے تو اس نتیجہ کو یقینی سمجھئے کہ وہ چیز موجود نہیں ہے ان کی تو حالت بتلا رہی ہے کہ فکر و مصیبت کی ہوا بھی ان کو نہیں لگی پھر کشتہ شدن کا اطلاق کس معنی کر ہوسکتا ہے اہل محبت کے تو حالات ہی دوسرے ہوتے ہیں جس کو انہوں نے آڑ بنا رکھا ہے یعنی باطن کہ ہم اہل باطن ہیں اگر وہ ہوتا یعنی بلفظ دیگر محبت الٰہی باطن میں ہوتی تو یہ حالت ہوتی۔

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن　　دل بدست دگرے دادن وحیراں بودن (۵)

---

(۱) ''ہر دم رنج والم کی شراب پیتے ہیں اور جب اس میں رنج کی کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو خاموش ہو رہتے ہیں''
(۲) تکلیف میں ہیں (۳) ''تمہارے پاؤں میں تو کانٹا بھی نہیں لگا تم کو ان لوگوں کی حالت کی کیا خبر ہے جن کے سروں پر بلا اور مصیبت کی تلواریں چل رہی ہیں'' (۴) ''خنجر تسلیم کے کشتوں کو ہر زمانہ میں ایک اور جان عطا ہوتی ہے'' (۵) ''عاشقی کیا ہے؟ محبوب کا بندہ بن جانا دل دوسرے یعنی محبوب کے قبضہ میں دے دینا اور حیران رہنا''

جب دل کسی کا دوسرے کے قبضہ میں ہو تو کوئی فعل اس کا اپنا اختیاری نہیں ہوتا یہ تھوڑی مشقت ہے نہ معلوم لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے محبت کو محبت والا تو کسی کام ہی کا نہیں رہتا سوائے ایک کام کے۔

ہر قوم کی اصطلاح

سوئے زلفش نظرے کردن درویش دیدن   گاہ کافر شدن وگاہ مسلماں بودن (۱)

کافر شرعی مراد نہیں کافر اصطلاحی مراد ہے ہر قوم کی ایک اصطلاح ہوتی ہے کفر ان کی اصطلاح میں فنا کو کہتے ہیں اور اس کے مقابل اسلام سے مراد بقا ہوتی ہے اور یہی مراد ہے اس میں کہ ہر زماں از غیب جانے دیگر است، اول مصرعہ میں فنا مراد تھی۔

کشتگان خنجر تسلیم را   ہر زماں از غیب جانے دیگرست (۲)

عاشق پر ہر وقت یہ تقلبات رہتے ہیں بتایئے یہ بے فکری ہے یا مشقت حضرت عاشق کے دل میں تو ہر وقت آرے اور بھالے (۳) چلتے ہیں ان کا تحمل اہل تنعم کہاں کر سکتے ہیں تنعم تو ان کی ہوا سے ہی اڑ جاوے یہ جو اہل باطن اور اہل محبت بنے ہیں صرف دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اعمال ظاہری سے بچنے کے لیے یہ من سمجھوتہ (۴) کرلیا ہے کہ ہم اہل باطن ہیں باطن ہمارا درست ہے ظاہر کی درستی کی چنداں حاجت نہیں باطن کی درستی کی حالت آپ نے سن لی ان کو یہی معلوم نہیں کہ باطن درست کاہے سے ہوتا ہے باطن درست ہوتا ہے محبت سے اور اس کا کہیں پتہ بھی نہیں۔ بس سب کی اصلیت یہ ہے کہ مشقت سے گھبراتے ہیں اعمال کون کرے اس سے تو تنعم اور لذات دنیا میں فرق آتا ہے۔

قلب کو مشغول بحق رکھنے کی ضرورت

کہتے ہیں اصل چیز تو قلب ہے جس کی نسبت کہا ہے۔

دل گزر گاہ جلیل اکبر ست (۵)

یہ ٹھیک ہے مگر اس کے معنی تو یہ ہیں کہ تجلی گاہ ہے حق تعالیٰ کا لہٰذا اس کو غیر کی

(۱) ''محبوب کی زلف کی طرف نظر کرنا اور اس کے چہرہ انور کو دیکھنا کبھی فانی ہونا ہے کبھی باقی رہنا''
(۲) ''تسلیم و رضا کے خنجر لگے ہوؤں کو ہر آن غیب سے نئی زندگی ملتی ہے'' (۳) نیزے (۴) دل کو سمجھا لیا
(۵) ''دل اللہ تعالیٰ کی گزر گاہ ہے''۔

آلودگی (۱) سے بچاؤ اپنے گھر میں دوسرے کے آنے کو کون پسند کرتا ہے اور یہ معنی کیسے ہوئے کہ ان کا دل گزرگاہ بن گیا یعنی حق تعالیٰ کی تجلی کے قابل ہوگیا ہے یہ تو کرنے سے ہوتا ہے اور کرنے ہی سے یہ گھبراتے ہیں آپ سے آپ تو کوئی کام بھی نہیں ہوجاتا جھوٹا ہے مدعی اگر اس کا قلب ان کا گزرگاہ ہوتا تو یہ اعمال ظاہری سے گھبراتا اس صورت میں تو اس کے اعضاء خودبخود ان کے منقاد (۲) ہوجاتے ہیں کیونکہ اعضاء تابع قلب کے ہوتے ہیں جب قلب مشغول بحق ہے تو اعضاء کیسے مشغول بحق نہ ہوں گے گھبرانا کیا معنی۔

تو بیک زخمے گریزانی زعشق تو بجز نامے چہ میدانی زعشق (۳)

نہ محبت ہے نہ تجلی ہے نہ اصلاح ہے اصل بات وہی ہے کہ مشقت سے گھبراتے ہیں اور اسی کے لیے یہ آڑ بنالی ہے کہ ہم اہل باطن ہیں یہ تو بہت ہی موٹی بات ہے کہ ہر باطن کا اثر ظاہر میں ضرور پیدا ہوتا ہے مثلاً کسی کو خوشی ہوتی ہے تو اس کا چہرہ سرخ ہوجاتا ہے رگیں پھول جاتی ہیں بات کے لہجہ میں فرق آجاتا ہے یا جب آدمی کسی ایسے کے سامنے جاتا ہے جس کی عظمت اور ادب قلب میں ہوتی ہے تو ممکن نہیں کہ اس کے سامنے سر نہ جھک جاوے اگر ان کے دل میں محبت ہوتی تو اس کے آثار کہاں ہیں کیسے مان لی جاوے یہ بات کہ دل میں محبت ہے محبت ہوتی تو کیوں گردن سجدہ میں نہیں جھکتی اور نماز کے نام سے کیوں موت آتی ہے بس جھوٹے کذاب ہیں یہ مدعی اور یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں ان سے کچھ کام نہیں چلتا یہاں تو

قدم باید اندر طریقت نہ دم کہ اصلے ندارد دم بے قدم (۴)

اور

کارکن کار بگذر از گفتار کاندریں راہ کار باید کار (۵)

ترک ظاہر کا منشاء

ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ باطن ہو اور ظاہر نہ ہو بات یہی ہے کہ باطن

(۱) دل میں اللہ کے سوا کسی کی یاد نہ بساؤ (۲) تابع (۳) ''تو ایک چرکہ ہی سے عشق سے بھاگتا ہے تو بجز نام کے عشق کی حقیقت سے ناآشنا ہے'' (۴) ''طریقت میں قدم رکھنا یعنی عمل کرنا چاہیئے اس لیے کہ بغیر قدم رکھے عمل کے دعویٰ کی کچھ اصل نہیں'' (۵) ''عمل کرو دعویٰ کو ترک کرو اس طریق میں عمل اور کام ہی کی ضرورت ہے''

بھی نہیں ہے اور اہل باطن بننا فقط آڑ ہے اور پھر مکرر عرض کیا جاتا ہے کہ اصل اس سب کی مشقت سے گھبرانا ہے یہ منشاء تو ترک ظاہر کا امراء میں تھا اور فقراء میں اس سے بدتر ہے یعنی فساد اعتقاد اور شریعت کو بے وقعت سمجھنا اور دین میں تحریف کرنا جیسا کسی قدر آگے آوے گا اور پھر خود اس فساد عقیدہ کا منشاء بھی اکثر وہی سستی اور آرام طلبی ہے کہ آرام کے لیے نفس نے ایک بہانہ تجویز کیا ہے غرض دو فرقے مشقت سے گھبراتے ہیں جھوٹے فقراء اور امراء غرض مقصودیت دین کا دعویٰ کر کے دین کا اختصار دونوں نے کیا ہے اور دین کا ست (۱) نکالا ہے آج کل صنعت اور ایجادات کا زمانہ ہے ہر چیز کے جوہر اور ست نکالے گئے ہیں لہٰذا انہوں نے دین کا بھی ست نکالا ہے تا کہ اس کی مقدار کم ہو جاوے اور زیادہ بوجھ نہ رہے۔

صاحبو دین تو خود ہی ست ہے اس کا ست نکالنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ست کا بھی ست نکالا جاوے اگر صنعت کا اتنا غلبہ ہوگا تو خدا خیر کرے اس کا انجام یہ ہوگا کہ مقاصد ہی معدوم ہو جاویں گے کیونکہ اس ست کے ست کا بھی ست ہوگا اور اس کا بھی ست ہوگا آخر کہیں یہ سلسلہ ضرور ختم ہوگا کیونکہ ہر مرتبہ میں اس کا اختصار ہوتے ہوتے معدوم ہو جانے ہی کی نوبت آوے گی پھر اس صنعت کا عمل کس چیز میں ہوگا۔ مگر ہم دوسرے مطلوبات میں دیکھتے ہیں کہ صنعت کی دوڑ کہیں ضرور ختم ہوتی ہے اور ایک حد پر پہنچ کر اس کا ست نہیں نکالتے پس بعض چیزیں ایسی بھی نکلیں جن میں اختصار نہیں ہو سکتا پس اس جنس (۳) سے دین کو بھی سمجھ لیا ہوتا۔

غرض فقراء اور امراء دونوں نے باطن کو مقصود قرار دیا ہے مگر درویشوں کے اس دعوے کا منشاء اور ہے اور امراء کے دعوے کا اور، اور ان امراء سے مراد میری تعلیم جدید والے ہیں کیونکہ دین میں تراش خراش اور ست اور جوہر نکالنا ان ہی کے یہاں ہے پرانے خیال کے امراء کا مذاق یہ نہ تھا وہ گناہ سب طرح کے کرتے تھے اور سب کے سب دیندار نہ تھے مگر اپنے آپ کو گنہگار سمجھتے تھے اور اپنے افعال کو دین کے اندر داخل نہیں کرتے تھے اور آج کل کا مذاق یہ ہے کہ گناہ کریں اور پھر پاک کے پاک اور دیندار بھی رہنا چاہیں اس طرح کہ یہ فعل ہمارا دین کے خلاف ہے ہی نہیں بلکہ جزو دین ہے۔

---

(۱) جوہر (۲) قسم سے۔

نماز کی خاصیت

غرض جھوٹے فقراء اوران امراء نے دونوں نے اختصار کیا ہے دین کا جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ (۱)قرآن کو بوٹی بوٹی کرلیا اور پھر یہ فقراء اور امراء دونوں علماء محققین اور عارفین سے الجھتے ہیں اور ثابت کرنا چاہتے ہیں دین وہی ہے جس کو ہم دین سمجھتے ہیں پھر باوجودان دونوں فرقوں کے اشتراک فی دعویٰ مقصودیت بالباطن (باطن کے مقصود ہونے کے دعوے میں اشتراک) کے چونکہ دونوں کے نزدیک خلاصہ دین کا الگ الگ ہے اس واسطے علماء پر اعتراض بھی دونوں کے الگ الگ نوع کے ہوتے ہیں چنانچہ فقراء نے دین کا ست اس طرح نکالا ہے کہ ہر عمل کا ایک باطن تجویز کیا ہے مثلاً نماز کا باطن ذکراللہ ہے اور روزہ کا باطن انکسارنفس اور حج کا باطن عشق ومحبت ہے اور باطن ہی مقصوداعظم ہے تو کہتے ہیں کہ خدا کو ہم ہر وقت یاد رکھتے ہیں پس یہی نماز ہے ظاہری اٹھک بیٹھک کی یا نہ کی اور اس پر غضب یہ کہ استدلال قرآن سے کیا جاتا ہے قرآن شریف میں ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (۲)اس جملہ سے پہلے ہی اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (۳)اس میں نماز کا ذکر ہے اور اس کی ایک خاصیت کا بیان ہے اور آگے یہ جملہ ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ تو یہ معنی ہوئے کہ ذکراللہ نماز سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے پس مدعاء ثابت ہے کہ بڑی چیز اور مقصوداعظم ذکراللہ ہے پس نماز اس کے سامنے کوئی چیز نہیں اور اس کی کوئی ضرورت نہیں۔سو اس میں مفضل علیہ انہوں نے صلوٰۃ کو لیا ہے جس کے معنی یہ ہوئے ذکر اللہ افضل من الصلوٰۃ(۴)سواول تو اس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ معنی محتمل ہیں کہ اس میں تنہیٰ کی علت بیان کی گئی ہے کہ نماز میں یہ خاصیت اس لیے ہے کہ وہ ذکراللہ پر مشتمل ہے اور ذکراللہ بڑی چیز ہے پھر اگر بالفرض ایسا ہو بھی کہ اکبر کا مفضل علیہ صلوٰۃ ہو جس سے یہ معنی پیدا ہوں کہ نماز سے بھی بڑی چیز ذکراللہ ہے تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ صلوۃ کا چھوڑ دینا جائز ہے کیونکہ یہ اس مقدمہ کے ثبوت پر موقوف ہے کہ اکبر کے ہوتے ہوئے اصغر کی ضرورت نہیں سو اگر یہ مقدمہ تسلیم کیا جاوے تو بڑے بیٹے کے ہوتے ہوئے چھوٹے کو ذبح کردینا چاہئے مگر کسی شاہ صاحب کو یہ کرتے یا اس کی تعلیم دیتے نہیں دیکھا بلکہ چھوٹے بیٹے سے تو اور بھی محبت زیادہ ہوتی ہے

(۱) الحجر:۹۱ (۲) ''اللہ کا ذکر بڑا ہے'' العنکبوت:۴۵ (۳) ''نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے'' العنکبوت:۴۵ (۴) ''اللہ کا ذکر نماز سے بڑا ہے'' د۔

حضرت مفسر ہونا ان کا کام نہیں تفسیر ایک مستقل فن ہے اس فن کے محققین جو کہیں وہ تفسیر ہے اردو کے ترجمے دیکھ لینے اور سنی سنائی باتوں سے آدمی مفسر نہیں ہوسکتا اور اس کے اقوال سوائے بکواس ہونے کے کوئی درجہ نہیں رکھتے مگر آزادی کا زمانہ ہے جو جس کا جی چاہے بک دے کوئی پوچھنے والا نہیں جیسے ایک اندھے کی حکایت ایک طالب علم بیان کرتے تھے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اس کی طرف بھی کچھ لوگ تھے (باطل سے باطل اور بری سے بری بات کو بھی کوئی شروع کرے تو کچھ نہ کچھ ہم خیال اس کے پیدا ہو ہی جاتے ہیں) کسی نے اس اندھے سے پوچھا کہ آپ کیسے خدا ہیں جو آنکھوں سے بھی اندھے ہیں کہا بندوں کا امتحان کرنے کے لیے ہم نے یہ صورت اختیار کی ہے سبحان اللہ بس یہ جواب کافی ہوگیا۔

آزادی کے نتائج

اسی طرح ایک جاہل فقیر خدائی کا دعویٰ کرتا تھا ایک شخص نے اس کا علاج کیا کہ جا کر ایک آیت کی تفسیر پوچھی وہ تو ایک جاہل محض تھا وہ کیا بتاتا کہا میں تو جاہل ہوں (کیا اچھے خدا ہیں جن کو اپنے ہی کلام کے معنی معلوم نہیں) پھر اس شخص نے یہ کیا کہ سوکھی روٹیاں لے کر اس کے پاس پہنچے کہ میں حضور کے لیے کھانا لایا ہوں دیکھا سوکھی روٹیاں ہیں بہت بگڑے کہا حضور اس میں میری کیا خطا ہے آپ خدا ہیں آپ ہی کے دینے سے مخلوق کو ملتا ہے جیسی روٹی ہمیں آپ نے دی ویسی ہی ہم نے آپ کے سامنے پیش کردی آپ اچھی مرغن روٹی دیجئے تو ہم وہی سامنے لاکر رکھ دیا کریں۔ یہ آزادی کے نتائج ہیں کہ خدائی تک کا دعویٰ کرتے ہیں تو مفسریت کا دعویٰ تو پھر سہل ہے اور قولی آج کل کے شاہ صاحبوں کی عجیب حالت ہے بیحد آزادی آگئی ہے کہ قرآن وحدیث میں بھی تحریف کرتے ہیں عجب کیا ہے کہ اس کے آگے جو جملہ ہے **وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ** یعنی خدا تعالیٰ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور اس میں شاہ صاحب کو دھمکایا ہی ہو کہ آیتوں میں تراش خراش نہ کرنا ہم کو سب خبر ہے مگر جو شاہ صاحب ہیں ان کو ڈر بھی نہیں کیونکہ خشیت تو علم سے پیدا ہوتی ہے ان کو علم نہیں تو خشیت بھی نہیں اور اگر علم ہوتا تو ایسی تفسیر ہی کیوں کرتے کہ اس سے نماز کی ضرورت ہی اڑادی جس سے قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہورہی ہے (دور بے باکی)۔

أخبار الجامعة

ماہ جنوری/فروری 2024ء

❁ 21 جنوری: حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب (مدظلہ العالی) مہتمم جامعہ ہٰذا جامعۃ النفیس بادامی باغ لاہور قاری ذوالفقار صاحب کے ہاں تقریب آمین میں طلباء کو انعامات سے نوازا۔

❁ 22 جنوری: جامعہ ہٰذا کے میٹرک مع روایت حفصؒ مکمل کرنے والے طلباء کے اعزاز میں منعقد تقریب سے خطاب فرمایا اور جامعہ کے قراءات سبعہ وثلٰثہ کے طلباء کا امتحان لینے کے لیے تشریف لانے والے حضرت قاری مومن شاہ صاحب وحضرت قاری نجم الصبیح تھانوی صاحب سے بھی خصوصی ملاقات فرمائی۔

❁ 23 جنوری: حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے آن لائن مسابقہ حفظ میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور 15 جنوری اسلام آباد فائنل مسابقہ کامیابی سے منعقد ہوا اس اعزاز میں صوفی نعیم صاحب سرپرست دارالقراء بی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور نے اپنی رہائش گاہ میں عشائیہ دیا جس میں لاہور کے مقامی علماء وقراء نے حضرت مہتمم صاحب کو خراج تحسین پیش کیا۔

❁ 25 جنوری: اشرف العلوم گوجرانوالہ طلباء روایت حفص وقراءات سبعہ وثلٰثہ کا امتحان لیا۔ اور کامیاب طلباء کو سندات وشہادات سے نوازا۔

❁ 28 جنوری: حضرت مہتمم صاحب کی پوتی انیسہ بنت قاری عثمان تھانوی کی تکمیل قرآن کی تقریب اپنی رہائش گاہ میں ہی منعقد ہوئی۔

❁ یکم فروری: پنجاب قرآن بورڈ کے زیر اہتمام اجلاس میں شرکت فرما کر طباعت واشاعت قرآن کریم کے حوالہ سے راہنمائی فرمائی۔

❁ 3 فروری: معہد الخلیل الاسلامی کراچی بعد ظہر معلّمات کو درس وتدریس کے حوالہ

سے راہنمائی فرمائی۔ بعد مغرب تدریب المعلمین کے اجلاس میں خطاب فرمایا 250 اساتذہ کرام نے شرکت فرمائی اور رات ایک بجے تک سوال وجواب کی نشست جاری رہی۔

❁ 4 فروری: معہد الخلیل میں ہی منعقد مسابقہ الشیخ یحییٰ مدنی میں بطور منصف شرکت فرمائی۔

❁ 5 فروری: دارالعلوم کراچی قاری عبدالملک صاحب مرحوم کی قبر پر دعاء مغفرت اور ان کے بھائی قاری اسحاق صاحب سے کلمات تعزیت فرمائے اور اساتذہ حفظ کی راہنمائی فرمائی اس کے بعد شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثانی مدظلہ سے خصوصی ملاقات فرمائی اس کے بعد دارالعلوم کراچی شعبہ قراءات کے طلباء واساتذہ کے ساتھ علمی مجلس ہوئی۔

❁ 6 فروری: بیت النور لاہور مسابقہ حفظ کی ججمنٹ فرمائی

❁ 9 فروری: حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کی پوتی ام ھانی بنت مولانا اشرف علی فاروقی کا نکاح پڑھایا اور دعاء خیر فرمائی۔

❁ 11 فروری: کراچی کا سفر ہوا جہاں جامعہ ظہیریہ میں مسابقہ حفظ کی ججمنٹ فرمائی۔

❁ 12 فروری: ادارہ معارف القرآن میں منعقد مسابقہ حفظ کی ججمنٹ فرمائی۔

❁ 17 فروری: دارالعلوم مدنیہ بٹ خیلہ مالاکنڈ 2 روزہ مسابقہ حفظ میں 16 طلباء کے مابین مسابقہ کی ججمنٹ فرمائی اور کامیاب طلباء کو انعامات سے نوازا پھر 19 کو لاہور واپسی ہوئی۔

داخلی اور وفاق اور بورڈ کے امتحانات کا مرحلہ وار سلسلہ جاری ہے ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ تعلیمی سال 6 شوال المکرم سے شروع ھوگا۔